محدث

وداعیا الی اللہ باذنہ
وسراجا منیرا

مجلس التحقیق الاسلامی گارڈن ٹاؤن ۰ لاہور

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیرِ بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰ روپے   زرِ سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔   ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476   موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __   www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ **محدّث** لاہور

(فون) صدر دفتر: ۳۵۴۲۵۰ | ذیلی دفتر: ۵۴۸۷۳

جلد ۶ | شوال المکرم ۱۳۹۶ھ | عدد ۱۰

فہرست مضامین

۱۔ فکر و نظر ... ملی قیادت اور علمائے حق ...... اداریہ ۲

۲۔ الکتاب والحکمۃ .. ایک امتحان۔ ایک عمل۔ ایک سبق .... مولانا عزیز زبیدی ۹

۳۔ السنۃ والحدیث .. خوشحالی اور تنگ دستی دونوں آزمائش ہیں ... " ۱۳

۴۔ دار الافتاء ..... استفتاء ۱۸

۵۔ نظم .... حضرت امام بخاریؒ .... حکیم راحت نسیمؔ سوہدروی ۲۹

۶۔ مقالہ .... آیا تھا جب مزاج تیرا امتحان پر ...... پروفیسر محمد سلیمان اظہر ۳۰

۷۔ تعارف وتبصرہ کتب (علوم القرآن اور اصول تفسیر، مکمل تعلیم الاسلام، ... ع۔ ز ۴۳

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں، مسنون دعائیں،

مسئلہ آئین حکومت، فضل الودود فی تحقیق رفع الیدین

للسجود۔ عربی)

ناشر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی　طابع: چودھری رشید احمد　مطبع: مکتبہ جدید پریس، ۴۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

زر سالانہ: ۰۰ؔ،۱۵ روپے　فی پرچہ ۱٫۲۵ روپیہ

فکر و نظر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ملی قیادت اور علمائے حق

ملتِ اسلامیہ ایک ایسے طرزِ معاشرت اور اسلوبِ زندگی کی حامل جماعت کا نام ہے جس کا سرچشمہ اور ماخذ کتاب و سنت ہے جو اپنے مزاج کے اعتبار سے مہدی بھی ہے اور ہادی بھی، یعنی وہ صراطِ مستقیم پر فائز بھی ہے اور اس کی داعی بھی — اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ کتاب و سنت کی تعلیمات اور علم و عمل سے باخبر نہ ہو۔ چونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ ملتِ اسلامیہ کا ہر فرد اسلامی علم و عمل کے حصول کے لیے گھر سے نکل کھڑا ہو اس لیے حکم ہوتا ہے کہ ایک جماعت تو اس کے لیے ضرور فارغ کر دی جائے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (پ۱۱۔ توبہ ع۱۵)

"اور (یہ بھی) مناسب نہیں کہ مسلمان سب کے سب (اپنے اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں۔ (لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر) ایسا کیوں نہ کیا ان کی ہر جماعت میں سے کچھ لوگ (اپنے اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوتے کہ دین کی سمجھ پیدا کرتے۔"

اس سے غرض اپنی قوم کی اصلاحِ حال ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ ہوش میں آجائیں۔

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (ایضاً)

تاکہ جب وہ (پڑھ سمجھ کر) اپنی قوم میں واپس جاتے تو ان کو ڈراتے تاکہ وہ (بھی برے کاموں سے) بچیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی قیادت علمائے حق کی ذمہ داری ہے اور وہی اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک اور مقام پر قرآن حمید نے بات اور بھی کھول کر بیان کر دی ہے کہ:

پیش آمدہ مسائل کے سلسلے میں صرف وہ طبقہ رہنمائی کر سکتا ہے جو استنباط اور اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ (پ۔ النساء ع)

اور انھیں جب کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے تو یہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اسے رسول کے یا اپنے میں سے صاحبانِ امر (اہل علم و حکمرانوں) کے حوالے کر دیتے ہیں تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت بھی جان لیتے۔

اولی الامر سے دونوں مراد ہیں (۱) اہل الاجتہاد علماء (۲) اور حکمران، قال الجصاص۔

یجوز ان یرید به الفریقین من اهل الفقه والولاة لوقوع الاسم علیهم جمیعا (احکام القرآن ص۲۶۳/۲)

فرماتے ہیں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ، علماء کے پاس "حکومت" نہیں ہوتی تو یہاں علماء کیسے مراد لیے جا سکتے ہیں؟ فرمایا: آخر فتوٰی تو ان کا ہی چلے گا، ہر امر بحیثیت حکمران نہیں ہوتا، غیر حکمران بھی امر کر سکتے ہیں ویسے بھی احکام کے شناسا یہی لوگ ہوتے ہیں اور لازماً ان کو قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔ بس یہی امر ہے۔

قیل له ان الله تعالی لم یقل من یملك الامر بالولایة علی الناس وجائز ان یسمی الفقهاء اولی الامر لانهم یعرفون اوامر الله ونواهیه ویلزم غیرهم قبول قولهم فیها فجائز ان یسموا اولی الامر من هذه الوجه (جصاص ص۲۶۳/۲)

فرمایا کہ اگر تمہارے مابین اختلاف پیدا ہو جائے تو کتاب اور رسول کی طرف رُخ کرنا چاہیے۔

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ۔ (پ۔ النساء ع)

مفسرین لکھتے ہیں کہ: کتاب و سنت کی طرف رجوع علماء ہی کر سکتے ہیں، اس لیے یہ کیس ان ہی کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

ومن لیس من اهل العلم لیست هذه منزلتهم لانهم لا یعرفون کیفیة الرد الی کتاب الله والسنة وجوه دلائلهما علی احکام الحوادث فثبت انه خطاب للعلماء (احکام القرآن للجصاص ص۲۵۷/۲)

ان آیاتِ کریمہ نے یہ امر واضح کر دیا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی قیادت دراصل علمائے حق ہی کا فریضہ ہے اور ان ہی حضرات کو یہ بات زیب دیتی ہے۔ خلفاء راشدین کے عہد میں بھی علماء صحابہ کی طرف رجوع کیا جاتا رہا ہے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افاضل صحابہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ تاریخ کے اوراق ان مثالوں سے بھرے پڑے ہیں۔

علماء کی قیادت کے معنی "پاپائیت" کا احیاء نہیں ہے بلکہ علماء کا وجود "پاپائیت" کی نفی کرتا ہے۔ پاپائیت ایک منصب ہے جو مخصوص طبقہ کی بخشش کا نتیجہ ہوتا ہے، وہ ایک ایسی تنظیم ہے جس میں مختلف عہدے اور مناصب ہوتے ہیں۔ وہاں علم و فضل کی بنیاد پر اسے از خود کوئی حاصل نہیں کر سکتا، لیکن علماء کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

ہاں ہمارے دور میں کچھ "روشن خیال حضرات" "پاپائیت" کے نام پر علماء کو بدنام کر کے دراصل "قرآن" حکیم کو ذہنی آوارگی کی انارکی کے حوالے کرنا چاہتے ہیں تاکہ کسی طرح "اسلام" کو مسخ کیا جا سکے۔ ہاں ان میں کچھ لوگ "قرآن" کے نام پر تحریک چلا رہے ہیں، جو پاپائیت کا نام لے کر علماء پر کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں، لیکن ان کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ خود پاپائیت کی احیاء کی کوششوں میں مصروف ہیں، ان کا نظریہ ہے کہ قرآن کے مفاہیم کی تعبیر کا حق "مرکزِ ملت" کو ہے۔ یہ حضرات اس قسم کا نعرہ ایجاد کر کے نہ صرف پاپائیت کے لیے فضا ہموار کرنے میں مصروف ہیں بلکہ وہ قرآن کے نام پر جدید قسم کے ڈکٹیٹروں کی داغ بیل بھی ڈال رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک "علماء" اس لیے قابلِ احترام ہیں کہ وہ قرآن دان اور حاملِ قرآن ہیں، جو لوگ نہیں جانتے قرآن کیا ہے اور وہ کیا چاہتا ہے؟ ان سے ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ ان بابرکت ہستیوں کی طرف رجوع کریں اور استفادہ کریں۔ ہم نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ان کا کلمہ بھی پڑھیں — جتنی اور جیسی بات قرآن کی کہیں وہ مان لیں، جہاں کچھ جھول پائی جائے، چھوڑ دیں۔ اب اس کی طرف رجوع کریں جس کا قول اور رہنمائی قرآن کی روح سے قریب تر ہو۔ اگر یہ پاپائیت ہے تو پھر معلوم نہیں، امامت اور کیا ہے؟

بہرحال ملت اسلامیہ میں علمائے حق کا یہ وہ اصلی اور واقعی مقام ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے ان کو حاصل ہے اور اس مقام پر وہ طویل عرصہ تک عملاً فائز بھی چلے آ رہے ہیں۔

یہ اس وقت کا قصہ ہے جب کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں اور خلفاء راشدین کے مبارک عہد میں جہانبانی اور دینی امور یعنی دنیا اور دین ابھی یک جا جمع تھے اور ان سے مادی اور روحانی اعمال میں "تفریق" نے ابھی راہ نہیں پائی تھی، اسلام کے اسرار و رموز کے وہ محرم راز تھے، شریعت مطہرہ پر ان کی نگاہ مجتہدانہ تھی، تدبیر مملکت اور ملک کے سیاسی تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے ان کی نگاہ اور قیادت کا دائرہ زندگی کے کسی خاص گوشہ تک محدود نہ تھا بلکہ عملی زندگی، سیاسیاتِ ملی اور امورِ مملکت تک کو محیط تھا۔ کیونکہ متنوع ذمہ داریوں اور فرائض کی وجہ سے ان کے لیے

کتابی دنیا اور نظری علم پر قناعت کرنا کافی نہیں تھا، بلکہ اپنے گردوپیش کے تقاضوں، احوال و ظروف کی مختلف قدروں، فکری عوامل، تمدنی رجحانات اور عصری تعامل کے مقتضیات پر نگاہ رکھنا اور ان کے سلسلے میں اسلام کی فطری رہنمائی ان کو مہیا کرنا ان کے فرائض منصبی اور دینی فریضے میں داخل تھا۔ جس طرح شعائرِ دین اور مراسم شرعی کے وہ نگہبان اور پاسبان تھے ویسے ہی تمدنی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی رہبری بھی ان کے علمی اور روحانی حیطۂ اقتدار کا حصہ تھی۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان کی حق گوئی، استغنا، ایمان اور ضمیر کی بادشاہت، ثبات علی الحق کے مقام رفیع، دینی معروف کے سلسلے میں ان کی حریصانہ تبلیغی مساعی، منکر کے خلاف ان کی بے قابو غیرت کے سامنے تاج و تخت لرزہ براندام رہتے تھے۔ اس لیے نجی حیثیت میں بھی ان کے افکار کو سرکاری حیثیت حاصل تھی، اربابِ اقتدار ان کا احترام کرتے اور ان سے رہنمائی حاصل کیا کرتے۔

اس کے بعد جب دنیوی سیاست اور دینی اقتدار میں ہم آہنگی نہ رہی اور عنانِ اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو خدا سے زیادہ اپنے نفس و ہویٰ کے غلام تھے، تو شروع شروع میں گو علماء کے پاس شاہی طنطنہ، شوکت اور اثر و نفوذ جیسی دولت نہ رہی تاہم اب بھی اپنے علم و عمل کی وجہ سے عوام میں ان کا ایک مقام تھا، ترغیب و تحریص اور ترہیب و تنذیر کی بیسیوں تحریکات کے باوجود دنیوی حکومتوں کے لیے ان کا راستہ روکنا محال اور ان کو رام کرنا دشوار تر تھا۔ لیکن افسوس! جب علم و عمل کی کائنات میں حرص و طمع کے بھونچال آنا شروع ہو گئے، اخلاقی انحطاط کی وجہ سے ضمیر اور غیرت ماؤف ہونے لگے، روحانیت پر مادیت چھانا شروع ہوئی، خدا کے بجائے خداوندانِ مملکت کی خوشنودی کی پیاس بڑھی، دل کی جگہ شکم اور کام و دہن بار پا گئے، رسول کے بجائے دوسرے آستانوں سے محبت کی پینگیں بڑھنے لگیں۔ کسی غیر کے پاسِ خاطر کے لیے حریتِ فکر اور علم و ہوش کو فریب دینے کی کوششیں شروع ہو گئیں تو علماء کی روحانی مسند بھی ادبار اور زوال کے نرغے میں آگئی قربِ سلطان کی ہوس نے ان کو حکمرانوں کا نہ صرف حلقہ بگوش بنا دیا بلکہ مملکت کے بجائے صرف ان کے مستقبل کے لیے ایک چارہ ساز بھی بنا کر رکھ دیا۔ اس لیے قدرتی طور پر علماء کے فکر و نظر کا دائرۂ کار بھی محدود ہونا شروع ہو گیا، اگر اس میں کچھ وسعت رہی تو صرف نظری اور کتابی حد تک، لیکن دنیائے بے کراں کے تمدنی، معاشرتی اور سیاسی پہلوؤں کے سلسلے میں ان کی دلچسپیاں گھٹ گئیں وہ بالآخر "بسم اللہ کے گنبد" میں محصور ہو کر رہ گئے۔ ان جاہ پرست اور خوشامدی علما نے علماءِ سُو کی ایک ایسی ٹیم کو بھی جنم دے ڈالا جس نے قدم قدم پر اقتدار کے دیوتاؤں کو جھوٹے سہارے مہیا

کیے اور اسلامی مستقبل کے لیے بے شمار الجھنوں کو تخلیق کیا۔ اسلام "سرکار پرست" علمار سوء کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کے وجود کو ملتِ اسلامیہ اور خود اسلام کے لیے ایک فالِ بد تصور کرتا ہے۔ انھوں نے حکمرانوں کی جتنی عظیم خدمات انجام دیں اتنا ہی اسلام اور اہلِ اسلام سے مثالی بدخواہی کا ثبوت دیا اور علمائے حق کے لیے قدم قدم پر آزمائشوں کا ایک غیر مختتم سلسلہ شروع کر کے ان کے لیے عذاب و عتاب کے شرمناک دروازے بھی کھول ڈالے۔ خدا ان روسیاہوں کو غارت کرے جنھوں نے اقتدار کے بتوں کے صنم خانے آباد کیے اور ان علمائے حق کو اجرِ جزیل عنایت کرے جو محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دار و رسن تک پہنچے۔

ان سے کبھی ان کو فرصت ملی تو انھوں نے کتاب و سنت کے بجائے بعض شخصیتوں کی عینکیں لگا کر کائنات کا مطالعہ کیا جس کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا ہے کہ حریتِ فکر پر اوس پڑ گئی۔ رسول اور کتاب سے براہِ راست رابطہ رکھنے کی توفیق ان سے چھن گئی، اور وہ فقہی اور کلامی اثاثہ جو عصری تقاضوں کی تسکین کے لیے مرتب کیا گیا تھا، اسے ہر زمان اور ہر علاقہ کے لیے لازوال بنا کر رکھ دیا۔ چنانچہ شخصیت پرستی کے بوجھ تلے یوں دب کر رہ گئے جیسے کراچی کی چھ منزلہ عمارت کے نیچے دب کر دنیا رہ گئی۔ اب علمی تنگ دامانی کے ساتھ ساتھ فکری جمود اور تنگ نظری نے بھی آگھیرا — چنانچہ اعاظم پرستی اور تقلید کی بندشوں میں گرفتار ہو کر، دعوت کے اس مقامِ رفیع سے بھی وہ دور جا پڑے جو اسلامی دعوت کی ہمہ گیری کا خاصا تھا۔ حالانکہ پہلے سیاسی اور معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ علمار کی رہنمائیوں کا دائرہ بھی بڑھتا رہا تھا، اب واقعات اور حوادثات سے بے قابو طوفانوں کے باوجود چند فقہی اور کلامی کتابوں کی چار دیواری سے نکلنا ان کے لیے ممکن نہیں رہا، اگر کسی "بندۂ مومن" نے اس کے خلاف احتجاج کیا تو اسے خارجی اور منکرِ یزداں قرار دے ڈالا۔

ہمارے علم و ہوش کے ماضی کی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ ہمارے اسلاف ہر دور میں دنیا کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق اپنے تعلیمی خطوط کا جائزہ لیتے رہے تھے اور حسبِ حال جدید تقاضوں کے مطابق تعلیمی خاکے مرتب کر کے دنیا کو ایک ایسی تعلیم یا فتہ ٹیم مہیا کرتے رہے تھے جو ان کے دردوں کی دوا اور ان کے اجتماعی اور انفرادی تقاضوں کا فطری حل پیش کرتی رہی تھی۔ کیونکہ اسلام دینِ فطرت، خدا کا آخری پیام اور کائناتِ ارضی کے بتدریج بڑھتے ہوئے تقاضوں کا آخری جواب ہے۔ اس لیے اب اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ علما رہر دور میں، اپنے دور کے خصائص، عوامل، موعوامات اور تعامل پر نگاہ رکھیں، اس سلسلے کے تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور

فکری تحریکات کا گہرا جائزہ لیں اور پھر ایک کامیاب معلم کی طرح ان پر روشنی ڈال کر صحیح اور غلط واضح کریں۔ ماضی میں ایک بھی دور ہمیں ایسا نظر نہیں آتا اور تاریخ کے کسی موڑ اور گوشہ میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ ہمارے اکابر اور علمائے امت نے عصری علوم سے پہلو تہی کیا ہو یا عصری تقاضوں سے آنکھیں بند کر کے صرف چند مفوضہ کتابوں کی تعلیم و تدریس پر وقت ضائع کیا ہو، سرکش دنیا پوری برق رفتاری کے باوجود ہمارے علماء کی علمی اور فکری دسترس سے اپنا دامن چھڑا کر آگے نکل گئی ہو۔ پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

دورِ حاضر کا عظیم فتنہ، سائنسی اور جدید اقتصادی دریافتیں ہیں اور کچھ بے خدا معاشرہ کی معاشرتی (بقول ان کے) سائنٹیفک، قدریں ہیں، ہیئت اور جغرافیہ اور ریاضی کے بعض مسلّمہ افکار ہیں، لیکن وہ ایسے نہیں ہیں کہ ہمارے علماء کے فکر و نظر کی جولانیوں سے پرے ہوں، اگر ان کی مناسب تعلیم و تدریس کی طرف توجہ دی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس سلسلے کی ذمہ داریوں یا اس میدان کے بوالعجبوں کی لن ترانیوں کو مطمئن نہ کیا جا سکے۔ یقین کیجیے! قرآن و حدیث ابدی ہیں، ان کی ایک تھیوری بھی جدید علوم سے متصادم نہیں ہے۔ صرف آپ کی نگاہ التفات کے خصوصی التفات کی ضرورت ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ: جدید علوم کے سلسلے میں وسائل کی کمی ہے اور دینی درسگاہوں کے لیے ان کی طرف توجہ دینا خاصہ مشکل کام ہے، تاہم یہ تمام مشکلات ابتدائی دور تک مشکلات رہ سکیں گی۔ اس کے بعد یہ بوریہ نشین چٹائیوں پر بیٹھ کر ہی امامانہ شان سے ان عصری علوم کی جتنی اور جیسی کچھ تکمیل کر سکیں گے ان کی عہد حاضر کے جدید معلموں سے بھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ہم جانتے ہیں کہ، چند عصری علوم کی وجہ سے جو مرعوبیت طاری ہو رہی ہے اور بدنیت عناصر جس طرح اس کمی کو اچھال کر علمائے حق کو مذموم مقاصد کے لیے بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ انتہائی بودے ہیں، تاہم اس مرعوبیت کو ختم کرنا بھی تو علماء کا ہی دینی فریضہ ہے۔

ہمارے نزدیک قرآن و حدیث کا ہر جزئیہ بشروں کی ترمیم اور حک و اضافے سے بالاتر ایک عظیم حقیقت ہے، لیکن جن جدید علوم کو لے کر دشمنِ دین، کتاب و سنت میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہیں ان کا بھی تو کچھ مداوا ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ جدید اور قدیم علوم کو اپنا کر علماء کرام کو چاہیے کہ ملت اسلامیہ کی قیادت کو اپنے ہاتھ میں لے لیں کیونکہ یہ دنیادار لوگ ملت اسلامیہ کی سیاسی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر اسلام کے بجائے اپنے اقتدار کو لازوال بنانے کے لیے پوری قوم کو استعمال کرتے رہتے ہیں

اس لیے ان کھلنڈروں کو ملتِ اسلامیہ کی تقدیروں سے کھیلنے کی اجازت نہیں دینا چاہیے۔ ورنہ قیامت میں خدا آپ سے اس کی باز پرس کرے گا ۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ، آپ نے جو میدان خالی کر کے ان کے حوالے کیا ہے اسے اب ویران نہ رہنے دیا جائے۔ آگے بڑھ کر اسے اپنے قبضے میں لیں۔ ان شاء اللہ عوام اب بھی آپ کا ہی ساتھ دیں گے۔

علمائے حق ایک عظیم قوت اور بے پناہ معنوی طاقت ہیں، اور یہ بات ان کے لیے سزاوار بھی ہے اس لیے اپنی اسی "عظیم حیثیت" کی وجہ سے خدا کے ہاں جواب دہ بھی ہیں۔ کیونکہ گھر کا مالک بھرا گھر چھوڑ کر اگر کہیں اور جگہ جا کر سستائے گا تو ظاہر ہے کہ چور گھر کے مالک کی عدم موجودگی سے ضرور فائدہ اٹھائے گا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جدید علوم اور وسائل کو خدا تصور کیا جائے۔ غرض یہ ہے کہ جس حد تک یہ خدا کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں اسی حد تک ان کو انہی ذرائع اور وسائل سے راستہ سے ہٹا دیا جائے

اسی طرح تقرب سلطان کی ہوس سے پرہیز کیا جائے الا یہ کہ خود ان کو تمام کر چھنے کا ارادہ اور حکمت ہو۔

استغنا آپ کی روحانی میراث ہے، اس کے احیاء کی کوشش کیجیے! اور جدید علوم کے ذریعے ملک و ملت کی جو عظیم خدمات دی جا سکتی ہیں ان کے اہتمام میں آپ دنیا سے پیچھے نہ رہیں بلکہ ان کی قیادت کا فریضہ بھی آپ انجام دیں۔

تبلیغ اور دینِ برحق کی نشر و اشاعت آپ کا دینی فریضہ اور اخروی سرمایہ ہے، اس کو کاروبار بنانے سے پرہیز کیجیے! ورنہ آپ کے تبلیغی بولوں میں کوئی برکت نہیں ہو گی بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ آپ کی یہی لغزش آپ کی اخروی عافیتوں کے لیے فتنہ بن جائے۔

آپ کی موجودگی میں، خدا ناشناس لوگ جس قدر تی قیادت پر قابض ہوتے جائیں گے اتنی ہی بے خدا سیاست اور غیر اسلامی طرزِ معاشرت فروغ پائیں گے جس سے آپ کی اخروی جوابدہی کے امکانات اور قوی ہوتے جائیں گے اس لیے اگر آپ نے اب اپنے مقام، منصب اور ذمہ داریوں کا احساس نہ کیا تو آپ کی اس غفلت سے اسلام اور اہل اسلام کے مستقبل کو شدید نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ ہے۔

ہم علماء کی اجارہ داری کے قائل نہیں ہیں، ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ جو چیز ان کے سوا اور کہیں دستیاب نہیں ہو سکتی اور جن کے بغیر ہماری زندگی کا ہر شعبہ ایک مسلم کی حیثیت سے غلط تناظر ہو سکتا ہے تو اس مرحلہ پر ان کو ضرور آواز دی جائے۔ یہ طبقاتی واویلا نہیں ہے بلکہ باصلاحیت افراد کی تلاش کے لیے منادی ہے۔ ع جس کا کام اسی کو ساجھے۔

الکتاب والحکمۃ

عزیز زبیدی ۔ واربرٹن

ایک امتحان ، ایک عمل ۔ ایک سبق

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ ۚ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۝ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ۝ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ۝ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ۝ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ۝ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ۝ عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ ۝ كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ (پ ۲۹ ۔ القلم)

ترجمہ :- (اے پیغمبر) جس طرح ہم نے (ایک) باغ والوں کو آزمایا تھا اسی طرح ہم نے (کفار مکہ) کو بھی آزمایا ہے، کہ ان باغ والوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کے پھل ضرور توڑ لیں گے اور ان شاء اللہ بھی نہ کہا ، تو یہ سوتے کے سوتے ہی رہے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بلائے ناگہانی نازل ہوئی (اور اس سرے سے اُس سرے تک) باغ پر پھر گئی اور صبح ہوتے ہوتے وہ ایسا (خالی) رہ گیا جیسے کوئی سارے پھل توڑ کر لے گیا ہو، اور (ادھر) ان لوگوں نے صبح ہوتے ہوتے ایک دوسرے کو آواز دی کہ اگر تم کو پھل توڑنے ہیں تو صبح سویرے اپنے باغ میں جا پہنچو، چنانچہ وہ (سب لوگ) روانہ ہوئے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ (دیکھنا) آج کوئی محتاج تم تک باغ کے اندر نہ آنے پائے (ورنہ اس کو کچھ دینا پڑے گا ۔ غرض لینے تئیں) یہ سمجھ کر کہ بس اب جاتے ہی پھل توڑ لیں گے ، بڑے اہتمام کے ساتھ بہت سویرے جا پہنچے ، چنانچہ جب انھوں نے باغ کو (جا کر) دیکھا تو ایسا اجڑا پڑا تھا کہ اسے پہچان نہ سکے اور لگے کہنے کہ ہو نہ ہو ہم (راستہ) بھول گئے (پھر سوچے تو بولے ، نہیں (راستہ نہیں بھولے) بلکہ ہماری تقدیر پھوٹ گئی ، ان میں سے جو بہتر آدمی تھا، لگا کہنے کہ

کیا میں تم سے نہیں کہا کرتا تھا کہ خدا (کا شکر اور اس کی) تسبیح (و تقدیس) کیوں نہیں کرتے؟ (سو وہ اب) بول اٹھے کہ ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہم ہی قصوروار تھے، پھر ایک دوسرے کو کوستے ہوئے، ایک دوسرے سے مخاطب ہوئے (اور پھر سب) بول اٹھے کہ ہائے ہماری کم بختی! ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے عجب نہیں کہ ہمارا رب اس سے (بھی) بہتر باغ عنایت فرمائے، اب ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوئے والے پیغمبر! جو ناشکری کرتے ہیں ان پر (دنیا میں) ایسا ہی عذاب (نازل ہوا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب تو اس سے (بھی) کہیں بڑھ کر ہے۔ اے کاش! وہ سمجھتے ہوتے۔

ملک سبا (یمن) باغوں کا ملک تھا سد مآرب (قوم سبا کا منگلاڈیم یا تربیلا بند) کے ذریعے ان کی زرعی پیداوار اپنا جواب آپ تھی، جب لوگ گھروں سے نکلتے تو دو طرفہ باغات کی قطاروں میں گرتے کھانے کو پھل، سونگھنے کو عطر بیز فضائیں اور نظارہ کے لیے نظر نواز گل و لالہ کی ایک وسیع دنیا سامنے ہوتی۔ کہتے ہیں یہ بند ۱۲ ھ کے لگ بھگ کہیں جا ٹوٹا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی پانی کی لہر نے ان کی تہذیب بن کران کا قصہ تمام کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابن کثیر کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ: یہ بھی یمن کے ایک خاندان کا واقعہ ہے جو صنعاء سے تقریباً تین کوس کے فاصلے پر آباد تھا، موجودہ افرادِ خانہ کے والد صالح انسان تھے۔ وہ باغ اور کھیتی سے متعلقہ حقوق شرعی، اپنے حالات کے مطابق ادا کیا کرتے تھے۔ جب وہ دنیا سے لد گئے تو اولاد وارث بنی، انھوں نے سوچا کہ باپ اتنی دولت لٹا کر آمدنی کا ایک بڑا حصہ ضائع کر دیا کرتا تھا اب ہمیں چاہیے کہ اسے بچپائیں۔ چنانچہ صبح کو اندھیرے منہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے تاکہ کسی محتاج نادار اور غریب کو پتہ نہ چلے، اس پر خدا کو غیرت آئی اور ان کے پہنچنے سے پہلے باغ اور کھیتی کو ٹھکانے لگا دیا اور اس سرے سے لے کر اس سرے تک، ویرانی ہی ویرانی چھا گئی۔ آنکھیں مل کر غور سے دیکھنے لگے کہ شاید ہم راستہ بھول گئے، پھر یکدم عقل ٹھکانے آگئی، اور بولے! نہیں نہیں! باغ کا راستہ نہیں بھولے! راہِ حق بھول گئے، یہ ساری اس کی سزا ہے۔

ان میں سے جو صالح شخص تھا، اس نے اس بات پر ان کو ملامت کی، کہ میں نے بار ہا سمجھایا کہ یہ تمہاری ذات کا کوئی کرشمہ نہیں، یہ ذاتِ برحق کی ساری کرشمہ سازیاں ہیں، اسی کے گیت گایا کرو! مگر تمہیں میری بات سمجھ نہ آئی! اس پر وہ ایک دوسرے کو کوسنے لگے! پھر سب یک زبان ہو کر لیے! دراصل ہم حد سے بڑھ گئے تھے۔ اب ہم اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، امید ہے کہ وہ پھر ہم پر مائل بہ کرم ہوگا اور اس باغ سے بھی بہتر عنایت کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ناشکری کی سزا کے یہ دنیوی نمونے ہیں، باقی رہا عذاب آخرت؟ سو وہ تو اس سے بھی کہیں بڑا ہوگا۔ کیونکہ طغیان اور سرکشی کے مطابق پوری پوری سزا وہاں ہوگی یہاں نہیں۔

فقہ القرآن

آزمائش: دھن دولت اور خوشحالی جہاں اللہ کی دین اور عنایت ہوتی ہے وہاں وہ سراپا ابتلاء، آزمائش اور امتحان بھی بن جاتی ہے، جو قومیں یا افراد اس سلسلے کے حقوق خالق اور حقوق مخلوق سے بے پروا ہو رہتے ہیں، ان کا مستقبل دنیوی یا اخروی یا دونوں بہر حال خطرے کی زد میں ہوتے ہیں۔

متعلقہ حقوق: ان آیات سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ہر ذاتی ملکیت سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ضرور متعلق ہوتے ہیں، وہ حقوق جن کا تعلق سرکار سے ہے، اگر کوئی شخص وہ ادا نہ کرے تو ان کے خلاف، قانونی طاقت استعمال کی جا سکتی ہے مگر ان کو حقوقِ ملکیت سے محروم نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ باغ والوں کے واقعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ سرکاری عشر ادا کرنے سے گریز کرنے کی پاداش میں ان کو دھر لیا گیا اور حکومت ان پہ تاوان بھی عائد کر سکتی ہے۔

وہ حقوق العباد جن سے رضا کارانہ طور پہ عہدہ برآ ہونا پسندیدہ ہوتا ہے، ان کی طرف لوگوں کو سرکار کا متوجہ کرنا اور توجہ دلانا اور ترغیب و تحریص کے سامان پیدا کرنا ہی کافی ہوتا ہے۔

اللہ سے بے خوف نہ ہو جانا چاہیے: غلط طرز حیات اور اعمال کے سلسلے خدا کی گرفت سے بے پروا نہیں ہو جانا چاہیے، کچھ پتہ نہیں کہ کب وہ دھر لے، اس لیے جلدی توجہ کرنی چاہیے جب گرفت کے آثار نمایاں ہو جائیں تو پھر خدا کے حضور گڑگڑانے میں سستی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ بعض اوقات سزا کے باوجود ابھی مہلت باقی ہوتی ہے۔ خدا کو ابھی تنبیہ اور تادیب منظور ہوتی ہے لعلھم یرجعون شاید وہ سیدھی راہ کی طرف پلٹ آئیں۔

خدا کی تادیبی گرفت کو لبا اوقات لوگ "اتفاقات" تصور کر لیتے ہیں یا کسی ٹیکنیکل لغزش کا نتیجہ، اس لیے ایسے لوگ اصلاحِ حال کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں، جس کے بعد وہ وقت بھی آجاتا ہے، جب مہلت کی میعاد ختم ہو جاتی ہے۔ یہ مرحلہ خاصا خطرناک ہوتا ہے بہر حال اب صحیح دوا گڑگڑانا ہوتا ہے۔ (انا الی ربنا راجعون)

معصیت سے خوشحالی متاثر ہوتی ہے: ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاصی اور خدا سے غفلت کی وجہ سے انسان کی آسودگی، طمانیت اور روزی ضرور متاثر ہوتی ہے۔

تبلیغ: جب گناہوں کی پاداش میں انسان آفات کی زد میں آ جاتا ہے، اس وقت ان کو ان کے مسرفانہ کرتوت کے نتائج سے آگاہ کرنا مناسب ہوتا ہے تاکہ وہ اب سنبھل کر خدا کی طرف رخ کریں۔ (قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ)

اعتراف: جب انسان کے سر پر وبال آ جاتا ہے تو وہ عموماً اس کی ذمہ داری اپنے بجائے دوسروں کے سر پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا کہ ایک غلطی کے بعد ایک دوسری غلطی کا اضافہ کر دیتا ہے، اس لیے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کو کوسنے یا لے دے پر وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کرے اور پھر خدا سے تجدیدِ عہد کرتے ہوئے اس سے معافی مانگ لے (قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ)

عبرت پذیری: عبرت پذیری خدا کی طرف سے بہت بڑی "توفیق" ہے۔ جو اس سے محروم ہو جاتے ہیں وہ غالباً کسی شدید تر گرفت کو دعوت مبارزت دینے کا التزام کرتے ہیں (لو کانوا یعلمون)

حیلہ سازی: احکامِ الٰہی سے فرار کرنے کے لیے جو بھی چارہ سازی یا حیلہ سازی اختیار کی جائے اس کی وجہ سے تعمیلِ حکم کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی، بلکہ لینے کے دینے بھی پڑ جاتے ہیں جھونگے میں جوتے سوا پڑ جاتے ہیں۔ (فانطلقوا وھم یتخافتون)

ہم آج کل جس دور سے گزر رہے ہیں، بلا استثنا، عرب ہو یا عجم، مغرب ہو یا مشرق، وہ آج ابتلاد کی اسی سان پر آ کر کھڑا ہو گیا ہے جس کے بعد کسی قوم کے مستقبل کے لیے نئے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ زمین و آسمان بندوں سے سرگرداں ہو رہے ہیں، شمس و قمر کی تابانیاں اور ضیا باریاں کچھ ننگی ہو چلی ہیں، ہماری اپنی سوچیں، خود ہمیں ہولناک اور مہلک غاروں کی طرف دھکیلنے میں مصروف نظر آتی ہیں، ہمارے اپنے قدم تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہے ہیں، ہمارے اپنے ہاتھ، خود ہمارے لیے قبریں کھودنے میں شب و روز مصروفِ کار ہیں، ہمارے رہنما ہماری راہ مارنے پر تلے ہوئے ہیں، ہمارے افراد خودکشی پر مائل ہیں۔ ہمارے اجتماعی ڈھانچے، بھتنوں اور غولوں کے بگولے بنتے جا رہے ہیں، ابنِ آدم ڈاروِن کے بندروں کی یاد تازہ کر رہے ہیں، بس کسر صرف دم کی رہ گئی ہے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ:

حق تعالیٰ نے انسان کو آسمانوں اور ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا یارا بخشا، ابر و باد اور برق و باراں کی تسخیر کا اس کو حوصلہ عطا کیا۔ پہاڑوں نے ان کی ہمتوں کے آگے اپنی سپر ڈال دی، زمین نے اپنے دفینے اگل ڈالے۔ توانائیوں نے ابنِ آدم کے قدموں کو چوما، خوشحال اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے ان کی مہمانی کی گئی۔ مگر آہ! خدا کا شکر گزار بندہ بننے کے بجائے اس نے جانور اور درندہ بننے کو ترجیح دی، اس لیے وہی وسائل جو ان کے اشارہ ابرو پر ناچ کے لیے تھے اب وہ اپنی مٹھی میں لے کر ان کو یوں بھینچے ہوئے ہیں کہ: اب فراوانیٔ عیش کے

البنۃ والحدیث

عزیز زبیدی وار برٹن

خوشحالی اور تنگ دستی دونوں آزمائش ہیں

بدلوگوں کی خوشحالی: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَةٍ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا هُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهٖ اِنَّ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ قَاتِلًا لَا یَمُوْتُ یعنی النار (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ)

فرمایا، کسی فاسق فاجر کی خوشحالی پر رشک نہ کیجیے! کیونکہ آپ نہیں جانتے مرنے کے بعد اس کا کیا حشر ہونے والا ہے، یقین کیجیے: اس کے لیے اللہ کے پاس ایک غیر فانی عذاب ہے یعنی دوزخ۔

ایسی خوشحالی جو تعلق باللہ پر بوجھ نہ بنے اور حقوق العباد کے سلسلے میں "بے رحم" نہ ہونے دے۔ ہمارے نزدیک "سلیمانی" ہے اگر ایسی خوشحالی انسان کو ایسا سرگراں کردے کہ نفس و طاغوت کے آستاں پر جبہ سائی سے اس کو انبساط اور نشاط محسوس ہو لیکن خدا کے حضور سر جھکانے کے قابل نہ رہنے دے۔ تو وہ ابلیسی یا قارونی ہے ـــــ ایسے لوگوں کے لیے یہ خوشحالی بسا اوقات بہت بڑے ابتلاء کا موجب بن جاتی ہے، قرآن و حدیث کی زبان میں اسے "استدراج" کہتے ہیں ـــــ چنانچہ بالآخر دنیا یا آخرت میں اس سے ایسے لوگوں کی نکبت اور ذلت کا اتمام ہو کر رہتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ بس مندرجہ بالا حدیث میں انہی بدنصیبوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر خوشحال انسان کے لیے یہ سوچنا آسان ہو گیا ہے کہ وہ اب کہاں کھڑا ہے؟

روزی خود بندے کی تلاش میں ہے: عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم .... اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ: اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِی اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَا یُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ وشعب الایمان)

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جبرائیل امین نے میرے دل میں یہ القا کیا ہے

کہ: اپنی روزی پوری کیے بغیر کوئی بھی شخص نہیں مرے گا! خبردار! اللہ سے ڈرتے ہوئے، تلاشِ رزق میں احسنِ طلب کو ملحوظ رکھیے! رزق کے پہنچنے میں تاخیر، تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ ناجائز ذرائع سے اس کے حصول میں پڑ جائیں، کیونکہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ صرف اس کی اطاعت سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

ایک اور روایت میں یوں آیا ہے۔

اِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهٗ اَجَلُهٗ (مشکوٰۃ بحوالہ ابونعیم فی الحلیہ۔ عن ابی الدرداء)

روزی بندے کی تلاش میں یوں رہتی ہے جیسے موت اس کا پیچھا کرتی ہے۔

جتنی روزی کسی کو چاہیے، وہ بہر حال اسے مل کر رہے گی اس لیے اسے مطمئن رہنا چاہیے اور غلط راہوں سے حاصل کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے، جو لوگ خدا کی ناراضگی کی پروا کیے بغیر "طلبِ زر" کے لیے خبط کی حد تک بدحواس ہو رہتے ہیں، وہ دراصل زبانِ حال سے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ: ان کو خدا نہیں چاہیے، چند ٹکے بہر حال انہیں ملنے چاہئیں!

سچی روزی وہ ہوتی ہے جس کے بارے میں بازپرس کا اندیشہ نہ ہو، جس سے انسان کی آخرت بوجھل نہ ہو اور چند روزہ زندگی کے یہ چند پیریڈ خیر و عافیت سے پاس ہو جائیں "لا ینال ما عند اللہ الا بطاعتہ" کے جملے میں بس اسی روزی کا ذکر ہے، باقی رہی وہ روزی جس سے چند گھڑیاں تو پرنشاط ہیں اور اس سے "کام و دہن" کا چسکا بھی پورا ہو لیکن اس کے بعد جب جوتے پڑیں تو "کھا کر پچھتانے" والی بات بن جائے تو وہ بہر حال نافرمانوں کی "جنت" سے کچھ دور نہیں ہے ـــــ کیونکہ ناپاک کنوئیں میں ناپاک ڈول ڈالا جائے تو پاک پانی نہیں نکلے گا، ناپاک ہی دستیاب ہو گا۔

بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت حکیمانہ انداز میں یہ بات ذہن نشین کرائی ہے کہ حالات ناسازگار ہو جائیں تو بدحواس نہ ہوں، ہوش میں رہ کر گتھی کو سلجھانے کی کوشش کریں، ایسا نہ ہو کہ زندگی کے ان چند ناسازگار لمحات سے خلاصی پانے کے لیے اپنی اپنی زندگی اور صالح سرشت کو ناسازگار بنانے پر تل جائیں۔ کیونکہ بالآخر یہ سودا بہت ہی مہنگا پڑے گا۔ ہمارے نزدیک ناسازگار گھڑیاں نہائی کربناک ابتلاء اور آزمائش کی حیثیت رکھتی ہیں روزی کی تلاش میں "بد" بننے سے دریغ نہ کرنا، کیرکٹر کی انتہائی پستی کی نشانی ہے۔

اطاعت سے خوشحالی کے سامان ہوتے ہیں: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: قال ربکم عز وجل: لو ان عبیدی اطاعونی لاسقیتھم المطر باللیل واطلعت علیھم الشمس بالنھار ولم اسمعھم صوت الرعد (احمد)

"فرمایا بڑی شان والے تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ: میرے بندے اگر میری اطاعت کریں (تو) میں رات کو ان پر مینہ برساؤں اور دن کو دھوپ کروں اور گرجنے کی آواز تک ان کو نہ سناؤں۔"

غرض یہ کہ: صحیح اور بابرکت روزی صرف رب کی نافرمانی کے ذریعے حاصل ہوتی اور بڑھتی ہے، ہتھکنڈوں سے جو روزی ملتی ہے، وہ روزی نہیں ہوتی، انگارے ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے انسان کی اخلاقی دنیا اور روحانی کائنات جل کر خاکستر ہو جاتی ہے، جو خوفِ خدا ملحوظ رکھتے ہیں، وہ کبھی بلا کے منہ میں ہوں، اللہ تعالیٰ خیر و عافیت سے چھٹکارا دے کر، ان پر خیر و برکت کے دروازے کھول دیتا ہے کہ انسان دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اٰیَۃً لَوْ اَخَذَ النَّاسُ بِھَا لَکَفَتْھُمْ: وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (ابن ماجہ ابی ذر)

فرمایا مجھے ایسی آیت معلوم ہے، اگر لوگ اس کا دامن تھام لیں تو وہ ان کو کافی ہو جائے (وہ آیت یہ ہے کہ) اور جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے خلاصی کی خود صورت پیدا کر دیتا ہے اور روزی یوں ان کو دیتا ہے کہ ان کے سان گمان میں بھی نہیں ہوتی۔

ان کو حقارت سے نہ دیکھیں: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ اَخَوَانِ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فَکَانَ اَحَدُھُمَا یَاْتِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ یَحْتَرِفُ فَشَکَا الْمُحْتَرِفُ اَخَاہُ النَّبِیَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فَقَالَ لَعَلَّکَ تُرْزَقُ بِہٖ (ترمذی)

"حضرت انس فرماتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں دو بھائی تھے، ایک تو حضور کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا دوسرا دستکاری کر کے کماتا تھا، اس حرفہ والے نے اپنے بھائی کی حضور کی خدمت میں شکایت کی، آپ نے جواب دیا کہ: کیا پتہ تمہیں روزی اسی کے صدقے سے ملتی ہو۔"

کچھ لوگ روزی کما کر کھاتے ہیں اور بعض اس قابل بھی ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کی بھی دیکھ بھال کریں ـــــ یہ توفیق، خدا کی دین ہے، جو خرچ کر کے دل بھاری بھی کر لیتے ہیں اور ان کو حقارت سے دیکھنے لگ جاتے ہیں، وہ دراصل "ناشکری" کا ثبوت دیتے ہیں۔ اگر ہوش سے کام لیتے تو ان پر وجد طاری ہو جاتا کہ، خدا نے ان کو اس کے قابل بنایا ہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ ان کو غیروں کا دستِ نگر بنا کر، دوسروں کا محتاج کیا۔

اس کے علاوہ ان کی کمائیوں اور مالوں میں غربا اور مساکین کا بھی حق ہے۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات - پ ۲۷)

وہ دراصل ان سے اپنا حق وصول کرتے ہیں، ان سے ان کا کچھ نہیں لیتے۔ اس لیے ناک بھوں چڑھانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ علماء حق، ان کی درسگاہیں اور تبلیغی ادارے، اس امر کے سزاوار ہیں کہ آپ ان کی خدمت کریں تاکہ وہ دلجمعی سے خدمتِ دین کا فریضہ انجام دے سکیں۔ مگر افسوس! کچھ لوگ ان پر خرچ بھی کرتے ہیں اور ان پر "مفت خوروں" کی پھبتی بھی کستے ہیں۔ اگر وہ غور کرتے تو کیا عجب کہ: ان کی خدمت کے صدقے میں اللہ تعالیٰ ان کو بھی دیتا ہو۔

حرص کا کوئی علاج نہیں ؛ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ (بخاری ومسلم)

"فرمایا: انسان کے پاس اگر (مال و دولت کی) دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری بھی ڈھونڈے۔ (اصل بات یہ ہے) ابن آدم کے پیٹ کو (قبر کی) مٹی ہی بھرتی ہے، اور اللہ ان پر توجہ دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

دولت کمانا بُرا نہیں، لیکن اس کے پیچھے بدحواس ہونا بُرا ہے، کیونکہ ایسے لوگ عموماً خدا کے حضور حاضری دینے کے قابل کم رہتے ہیں، جتنا وقت ملتا ہے وہ حصول دنیا کے لیے صرف کر ڈالتے ہیں۔ اور اگر خدا کے لیے کچھ وقت نکالتے ہیں تو اس ڈر سے نکالتے ہیں کہ اللہ میاں ناراض ہو کر ان کو غارت نہ کرے — الا ما شاء اللہ وان ھم الا قلیل — بہتر یہی ہے کہ: پیٹ کے دھندے کے لیے اتنی جدوجہد کرے جس سے "تعلق باللہ" پر بُرا اثر نہ پڑے۔ اس کے باوجود اگر دنیا کے ڈھیر لگ جاتے ہیں تو مبارک ہے، کیونکہ اس سے ملک و ملت کی خدمت اور دینِ برحق کی اشاعت کے لیے کام لیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو دنیا ایک دلچسپ آزمائش بن جاتی ہے جو بالآخر لے ڈوبتی ہے۔ یہاں یا وہاں۔

سب کا حساب دینا ہوگا ؛ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اسْتَسْقٰى عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ يَوْمًا فَجِيْءَ بِمَاءٍ قَدْ شِيْبَ بِعَسَلٍ فَقَالَ اِنَّهٗ لَطَيِّبٌ لٰكِنِّیْ اَسْمَعُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ نَعٰى عَلٰى قَوْمٍ شَهَوَاتِهِمْ فَقَالَ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِیْ حَيٰوتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَاَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا فَلَمْ يَشْرَبْهُ (مشکوٰۃ)

فرمایا: ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پینے کو مانگا تو انہیں شہد ملا ہوا پانی پیش کیا گیا، آپ نے فرمایا: یہ بہت اچھا ہے، لیکن میرے کانوں میں آواز آرہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

ایک قوم کے نفسیاتی چسکوں کا ماتم کیا ہے، چنانچہ فرمایا: تم نے اپنی دنیوی زندگی میں اپنے چسکے پورے کر لیے اور خوب مزے لوٹے، اس لیے مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ یہاں نہ چکا دیا جائے (یہ کہہ کر) انھوں نے نہ پیا (اور واپس کر دیا)

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جو مزے لوٹے جاتے ہیں، ہماری نیکیاں ان میں وضع ہوتی رہتی ہیں جتنے مزے ہوں، اتنی نیکیاں یہاں لٹ جاتی ہیں، الا یہ کہ نیکیوں کا پلہ اس قدر بھاری ہو کہ قیامت میں کمی کا احساس ہی نہ ہونے پائے! — مگر ایسے خوش نصیب کتنے ہوں گے؟ ان کا اندازہ سبھی لوگ آسانی سے کر سکتے ہیں۔

دنیا کی فراوانی اور اس کی نعمتوں سے بے حساب لطف اندوز ہونا، خطرے سے خالی نہیں ہے۔ ایک تو اس سے "حیوانیت" پھلتی پھولتی ہے اور آدمیت کی قدریں گھٹتی ہیں، دوسرا آخرت کا حساب طویل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ غربا پانچ سو سال پہلے اغنیاء سے بہشت میں داخل ہوں گے کیونکہ ان کا حساب مختصر ہوگا اور ان کا لمبا، اس لیے مالداروں کو کافی دیر لگ جائے گی۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ حضرت سلیمان سب نبیوں کے بعد اور حضرت ابن عوف سب صحابہ کے بعد بہشت میں جائیں گے۔ کیونکہ انھوں نے دوسروں کی بہ نسبت دنیا کی بہاریں زیادہ دیکھی تھیں۔

ہر پیغمبر کی ذات، معصوم ہوتی ہے اور تعلق باللہ میں اتنی راسخ ہوتی ہے کہ دنیا اپنی ہزار نازو ادا کے باوجود اس کو متاثر نہیں کر سکتی، تاہم اتنا اثر انداز ضرور ہی ہو جاتی ہے کہ: ان کا سفر بوجھل ہو جاتا ہے حساب طویل اور چیکنگ شدید کی وجہ سے منزل تک پہنچتے پہنچتے وہ شترا بورہو ہو جائیں گے، پھر کہیں جا کر منزل آئے گی۔ جہاں دنیا کی اس ارزانی کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ حشر ہو سکتا ہے، اندازہ فرمالیں کہ وہاں ہما و شما کا کیا حال ہوگا۔؟ بہر حال یہ دنیا اور اس کی نعمتیں میسر ہیں، تب بھی انسان ایک بہت بڑی آزمائش میں پڑ جاتا ہے، اگر تنگ و افلاس ہے تو بھی ایک عجیب ابتلاء کا سامنا در پیش ہوتا ہے۔ بس دنیا کے باوجود دنیدار ہے تو یہ سلیمانی ورنہ قارونی۔ اور غربت و افلاس کے باوجود، ایمان اور عمل صالح کا دامن ہاتھ میں رہا تو یہ سلمانی اور بلالی ہے ورنہ حرمان اور بد نصیبی ہی بد نصیبی ہے کہ:

ع ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

دارالافتاء

عزیز زبیدی واربرٹن

استفتاء

شلائٹ ٹاؤن جھنگ سے انصاری صاحب لکھتے ہیں کہ

جھنگ میں جماعت اہل حدیث کے ایک بزرگ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ عام لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ پہلے لوگ انبیاء کو قتل کر دیتے تھے قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ کوئی بھی نبی قتل نہیں ہوا ہے اور قرآن پاک میں جہاں پر یقتلون النبیین کا ذکر آیا ہے اس سے مراد انبیاء علیہم السلام کو ایذا پہنچانا ہے۔ اب اس مسئلہ نے شدت اختیار کر لی ہے۔ کیونکہ اس بزرگ نے اب برسرِ عام یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ قتل انبیاء کا عقیدہ رکھنا کفر ہے جس کی وجہ سے جماعت اہل حدیث جھنگ میں سخت انتشار پھیل گیا ہے۔

جواب میں حسب ذیل نکات کی وضاحت درکار ہے۔

۱۔ یقتلون النبیین میں قتل سے مراد ضرب شدید ایذا پہنچانا یا جان سے مار ڈالنا ہے۔

۲۔ قرآن و حدیث یا دیگر سماوی اور تاریخی کتب میں کسی نبی کے قتل اور ان کی تعداد کا کہیں ذکر موجود ہے اگر ہے تو اس کا بھی بحوالہ تذکرہ ضرور فرمائیں۔

۳۔ کیا قتلِ انبیاء کا عقیدہ رکھنے والا شرعی طور پر کافر ہے؟

۴۔ نص قطعی کے منکر کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ (مختصراً)

انبیاء کا قتل ناحق

الجواب: کہتے ہیں جب عیسائیوں کے برے دن آئے تھے تو ان کے دشمنوں کی فوجیں ان کے دروازوں پر پہنچ چکی تھیں مگر ان کے پادری اس بحث میں مصروف تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیشاب پاک تھا یا پلید ـــ یہ ذہنیت عموماً زوال پذیر اقوام اور معاشرہ کی ہوتی ہے۔

جماعت اہل حدیث کا ماضی الا ما شاء اللہ کے اصول کا آئینہ دار رہا ہے۔ مگر اس وقت

یہ جماعت زندہ تھی، ثقہ اور راسخ علمائے کرام کی اکثریت تھی۔ اس کے احتساب سے اپنے پرائے سب لرزہ براندام تھے مگر اب معاملہ بالکل برعکس ہے اور کارِ جہاں سے فارغ ہو کر آرام کرنے لگے ہیں یعنی بے کار پڑے ہیں اور فی سبیل اللہ فساد جیسے جہاد میں مصروف ہیں۔ ایک فارسی کا مقولہ ہے کہ:

جب نائی بے کار ہو کر بیٹھتے ہیں تو ایک دوسرے کا سر ہی مونڈتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہماری جماعت میں اب بھی ذمہ دار اور سنجیدہ علماء کی کوئی کمی نہیں، اگر وہ چاہیں تو ان دوستوں کے مطالعہ کے لیے کوئی دوسرا بہتر مصرف ان کو مہیا کر سکتے ہیں۔ ورنہ یہ "سوادِ اعظم" لے ڈوبے گا۔

سوال ۱: صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دشمنانِ حق نے ہمیشہ اذیتیں دی ہیں۔ اور اس سلسلے میں انھوں نے ذرہ کے برابر حیا نہیں کی۔ اگر بس چلا ہے تو ان کے خونِ ناحق سے ہاتھ بھی رنگین کیے ہیں۔ قرآن حکیم، حدیثِ پاک اور تاریخ کے اوراق اس پر گواہ ہیں۔

قرآن حکیم۔ فرمایا:

۱۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (پ۔ بقرہ ع)

یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار اور پیغمبروں کا ناحق قتل کیا کرتے تھے۔

۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (پ۔ آل عمران ع)

جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے اور (نیز) ان لوگوں کو قتل کرتے جو انھیں انصاف کرنے کو کہتے تو آپ ان کو عذابِ دردناک کی خوشخبری سنا دیں۔

تاویلیں: جو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مظلومانہ اور قتلِ ناحق پر ناحق مصر ہیں، وہ اس کی کچھ تاویلیں بھی کرتے ہیں۔

قتل کے معنی وہ "دعوتِ انبیاء" کو مٹانے کے کرتے ہیں، ہمارے ملک میں اس نظریہ کے سب سے بڑے داعی "مرزائی" ہیں۔ چنانچہ ان کے خلیفہ دوم بشیر الدین اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔

پس اس جگہ پر قتل کرنے سے مراد یہ ہو گی کہ:

.... ان کے کام کو باطل کرنے کی کوشش کرتے تھے (ص ۱۸۱)

قتل کے عام معنی جو بولتے ہی ذہنوں میں ابھرتے ہوں اور وہ روزمرہ بھی ہو، وہ معنی: جان سے مار دینے کے ہیں۔ دراصل یہ اس کے حقیقی معنی ہیں، حقیقی معنوں سے گریز بغیر کسی شرعی داعیہ اور قرینے کے جائز نہیں ہوا کرتا۔ رہے اس کے دوسرے معنی؟ تو وہ بے شمار ہیں ــــ جو یہاں ممکن

نہیں ہیں مثلاً فلانٌ قاتلُ الشتوات (لسان العرب) (سردیوں کا قاتل) یعنی غریبوں کو سردیوں میں کپڑے مہیا کر کے سردی کو دور کرنے والا۔ تو کیا یہاں بھی اس کی گنجائش ہے کہ وہ انبیاء کے دکھوں میں ان کے کام آتے تھے۔

قتل کے ایک لغوی معنی مخلوط کرنے کے بھی ہیں: قَتَلَ الْخَمْرَةَ، شراب کو پانی کے ساتھ ملا کیا۔ یا بھوک اور سردی کی تیزی کو توڑا۔ "قتل الجوع والبرد" بلکہ تعریف و تحسین کے معنی میں بھی آتا ہے "قتل الشئ خبرًا" یعنی فلاں شے کے ہر پہلو کا علم حاصل کر لیا۔

چونکہ یہ سب معنی لغت میں ملتے ہیں اس لیے اگر کوئی صاحب اب اس کے یہ معنی کرے کہ: (۱) انھوں نے سب انبیاء کو یکساں تسلیم کیا (۲) انبیاء کی بھوک پیاس دور کی (۳) وہ انبیاء کے سلسلے کی ساری معلومات اور مسائل سے با خبر رہتے تھے تو پھر آیات کا کیا حشر ہوگا؟ اگر اس کے یہ معنی پھر بھی کسی کو قبول ہیں تو پھر خدا کی طرف سے اس "جرم حق" کی یہ سزا بھی بڑی دلچسپ سزا رہے گی۔

الفاظ کے سارے لغوی معنی "حقیقت" نہیں ہوا کرتے، ورنہ ایک اہل علم ایسے مخمصے میں پڑ جائے گا کہ اسے حقیقت تک پہنچنے کے لیے کوئی بھی راہ نظر نہیں آئے گی۔ بلکہ ہر بدنیت کے لیے قرآن و حدیث سے پیچھا چھڑانا بالکل آسان ہو جائے گا اور اتنا سائنٹیفک کہ اس پر شاید خدا کے لیے بھی اعتراض کرنا مناسب نہ رہے العیاذ باللہ! اس لیے سب سے پہلے وہ معنی کرنا لازمی ہوتا ہے جو معروف اور استعمال میں سب سے زیادہ متبادر ہوں۔ یہ طریقہ بالکل غیر سلفی اور غیر علمی ہے کہ ایک لفظ کے جتنے معنی ہو سکتے ہیں، ان میں سے جو جس کے جی میں آئے، کرلے، ورنہ یقین کیجیے! یہودی بھی یہ کہہ سکیں گے کہ:

"یقتلون النبیین" میں خدا نے یہود کی تعریف کی ہے کیونکہ ہم نے سب کو تسلیم کیا ہے، انکی مشکل میں ان سب کے کام آئے ہیں۔ کیونکہ قتل کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ جیسا کہ تفصیل آپ نے ملاحظہ فرمائی۔

مرزائیوں کا اعتراض ہے کہ: قرآن نے انبیاء کے قتل کا جو ذکر کیا ہے وہ اس وقت ہوا ہی نہیں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں۔

دراصل ان کو مغالطہ اس سے لگا ہے کہ "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ" والی آیت کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے بعد آیا ہے۔ اصل میں یہ مضمون حضرت موسیٰ کے واقعات کا حصہ ہے ہی نہیں، یہ الگ اور بالکل جداگانہ مضمون ہے جو بنی اسرائیل کے منجملہ مضامین کا حصہ ہے۔ سورۂ آل عمران ع ۱۲ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بغیر اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمالیں۔

۳۔ كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ (پ۔ مائدہ ع)

"جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس ایسے احکام لے کر آیا جن کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے (تو) انھوں نے کتنوں کو جھٹلایا اور بہتوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔"

اس آیت نے ان کی اس تاویل کا خاتمہ کر دیا ہے کہ: ان کی دعوت اور تعلیم کو مٹا دیتے تھے، کیونکہ یہاں دو باتیں ایک ساتھ بیان کی گئی ہیں، ایک تکذیب جو مزاحمت اور مٹانے کی کوشش کو متلزم ہے، دوسرا قتل ۔ ظاہر ہے کہ: اس سے مراد وہ نہیں جو تکذیب سے حاصل ہے۔ آخر یہی معنی کرنا پڑیں گے کہ ان کو جان سے مارتے تھے۔

۴۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے خدا کے حضور یہ خدشہ ظاہر کیا کہ میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کیا ہے، اس لیے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کر ڈالیں۔

رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ۔

اس کے بعد پھر فرمایا کہ: مجھے خدشہ ہے کہ مجھے وہ جھٹلائیں گے۔

إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ (پ۲۰۔ قصص ع۴)

اگر یہ بات پیغمبر کے لوازمات میں سے ہوتی کہ اسے قتل نہیں کیا جا سکتا تو کم از کم حضرت موسٰی کو اس اندیشہ میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بہر حال "انبیاء کا قتل" کوئی شرعی استحالہ نہیں ہے۔ اس لیے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی نبی کو تصریحاً یقین دہانی کرنا پڑی کہ آپ تک نہیں پہنچ پائیں گے، تسلی رکھیئے!

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا (پ۲۰۔ قصص ع۴)

ہجرت کے بعد پہلے دو سالوں میں حضور نے پہرے دار رکھے کیونکہ جان کا خطرہ تھا۔ اگر ہر پیغمبر کا یہ خاصہ ہوتا کہ اسے "قتل" کرنا شرعاً محال ہے تو کم از کم انبیائے کرام کو تو اس کا علم ہوتا حالانکہ حضور نے خود پہرے دار رکھے، جب آیت وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ ع۱۰) نازل ہوئی تو آپ نے پہرے دار ہٹا دیے (تفسیر ابن کثیر ص۷۸ج۲)

۵۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ قرآن پر ایمان لاؤ، وہ کہتے ہم صرف اس پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل ہوا۔ فرمایا وہ بھی جیسا مانا ہے پتہ ہے یعنی پھر انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے۔

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ اللَّهِ مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (پ۱۔ بقرہ ع۱۱)

ان سے کہہ دو پھر اس سے پہلے کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے نبیوں کو، اگر تم ایمان رکھتے تھے۔

یعنی مانا تو کجا تم توان کی گردنیں مارتے رہے ہو۔

جواب سوال ۷:

احادیث، امام احمد روایت کرتے ہیں کہ سب سے زیادہ عذاب قیامت میں اس شخص کو ہوگا جس کو نبی نے قتل کیا ہوگا یا جس نے نبی کو قتل کیا ہوگا۔

۱۔ قال الامام احمد: حدثنا عبدالصمد حدثنا ابان حدثنا عاصم عن ابی وائل عن عبد اللہ (ابن مسعود) ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: اشد الناس عذابا یوم القیمۃ رجل قتله نبی او قتل نبیا الحدیث۔

اس حدیث سے "نبی کے قتل" کے "امکان" کی تصریح آگئی ہے۔ یہ بات نبی کے لوازمات میں سے نہیں ہے کہ: ایک نبی قتل نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب یہ سوچیں کہ اس طرح تو "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا" سے دوسرے خدا کا امکان بھی ثابت ہو جائے گا لیکن آخر اس اعتراض کا جواب خود آیت میں موجود ہے۔

ایک اور روایت میں یہ امکان "واقعہ" کی صورت میں بھی ثابت ہو گیا ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں تین سو نبی قتل کیے تھے۔

حدثنا شعبۃ بن الاعمش عن ابراھیم عن ابی معمر عن عبد اللہ بن مسعود قال کانت بنو اسرائیل فی الیوم تقتل ثلث مائۃ نبی (ابوداؤد طیالسی)

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے ابو عبیدہ! بنی اسرائیل نے تینتالیس نبی ایک ہی وقت میں قتل کر ڈالے تھے، پھر ان کو بھی جنھوں نے اس پر ان کو سمجھایا اور تبلیغ کی تھی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قتلت بنو اسرائیل ثلثۃ واربعین نبیا من اول النهار فی ساعۃ واحدۃ فقام مائۃ وسبعون رجلا من بنی اسرائیل فامروا من قتلهم بالمعروف ونهوهم عن المنکر فقتلوهم جمیعا من آخر النهار من ذلک الیوم فهم الذین ذکر اللہ عزوجل (ابن ابی حاتم)

وذکر الشوکانی: فقام مائۃ رجل وسبعون رجلا من عباد بنی اسرائیل (فتح القدیر ص۳۲۸ ج۱)

مندرجہ بالا آیات اور احادیث بانگ دُہل اعلان کر رہی ہیں کہ بنی اسرائیل نے یہ سب کچھ کیا رہے سابقہ صحف سماوی، گو ان کی تصدیق اور تکذیب ہمارے لیے جائز نہیں ہے، ہاں اگر ہماری کتاب و سنت کے موافق ہے یا اس کے محتمل پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی تعیین کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے تو ان کا نظر انداز مشکل ہو گا۔

صحف سماوی: اس سلسلہ کی چند تصریحات ملاحظہ فرمائیں: پہلے عہد عتیق کے پھر عہد جدید کے اقتباسات دیکھیے۔

عہد قدیم: وہ نافرمان نکلے اور تجھ سے پھر گئے اور انھوں نے تیری شریعت کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو نصیحت دیتے تھے کہ انھیں تیری طرف پھرا لائیں قتل کیا اور انھوں نے کاموں سے تجھے غصہ دلایا (نحمیاہ ۹ : ۲۶)

تمہاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیر ببر کی مانند تمہارے نبیوں کو کھا گئی (۲ تواریخ ۳۶ : ۱۷)

عہد جدید: اس کا صرف ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں ..... دیکھو میں نبیوں ..... اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں، ان میں سے بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے ...... اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے تاکہ سب راستبازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا ہے، تم پر آئے ...... اے یروشلم اے یروشلم! تو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے انھیں سنگسار کرتی ہے" (متی ۲۳ : ۲۹، ۳۷ لوقا ۱۲ : ۴۴ ، ۳۵)

ان اقتباسات سے ان کے قتل کی نوعیت بھی سامنے آگئی ہے۔ تلوار سے قتل، سنگسار کرنا، سولی پر چڑھانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کی جو ناکام کوششیں انھوں نے کیں وہ تو سب کے سامنے ہیں کہ وہ اس میں ناکام رہے، لیکن خدا جانے اور کتنے اللہ کے پیارے ہوں گے جن کو انھوں نے سولی پر لٹکا کر ختم کیا ہو گا۔ کیونکہ خدا نے ان کے وقوع کا ذکر کیا ہے اور قرآن نے اس کی مزید تصریح فرمائی ہے۔

مفسرین: یہاں پر ہم چند ایک ان مفسرین کی تصریحات پیش کرتے ہیں جو اہلحدیثوں میں بالخصوص بڑا مقام رکھتے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ۔ مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے ایسے گناہ کیے جو انھیں قتلِ انبیاء تک لے گئے۔

بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ - حدود الله اى عصيانهم صار منجرا الى ان قتل الانبياء (تفسير القرآن بكلام الرحمٰن ص۱۲)

اپنی اردو تفسیر میں لکھتے ہیں:-

ناحق ظلم سے قتل کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت یحییٰ اور زکریا علیہما السلام کو ناحق انھوں نے قتل کیا۔ (تفسیر ثنائی ص۱۴)

حواشی غزنویہ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ پر لکھتے ہیں:

"شعیا و زکریا و یحییٰ کو انھوں نے قتل کیا تھا۔ حدیث ابن مسعود میں مرفوعاً آیا ہے کہ سب سے زیادہ سخت تر عذاب میں دن قیامت کے وہ شخص ہوگا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہے یا اس نے نبی کو جان سے مارا ہے یا پیشوائے ضلالت تھا یا مورت بنانے والا۔ اس کو احمد نے روایت کیا۔ ۱۲ ابن کثیر (فوائد سلفیہ ص۵)

امام شوکانی: امام شوکانی فرماتے ہیں یعنی یہود نے انبیاء کو قتل کیا:

يعنى اليهود قتلوا الانبياء (فتح القدير ص۳۲)

امام مبرد سے نقل کیا ہے کہ نبی ان کو دعوت دین کے لیے ان کے پاس جاتے اور وہ ان کو قتل کر دیتے۔

قال المبرد: كان ناس من بنى اسرائيل جاءهم النبيون تدعوهم الى الله فقتلوهم (فتح القدير ص۳۲)

بعض نبیوں کا نام بھی ذکر کیا ہے کہ ان کو انھوں نے قتل کیا۔

بل ارشدوهم الى مصالح الدين كما كان من شعيا و زكريا و يحيى فانهم قتلوهم (فتح القدير ص۹۳)

امام ابن کثیر: ان کی شان میں وہ گستاخیاں کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کو قتل ہی کر ڈالا۔

يقول تعالى هذا اهانتهم حملة الشرع وهم الانبياء واتباعهم فانتقصوهم الى ان افضى بهم الحال الى ان قتلوهم فلا كفر اعظم من هذا (تفسير ابن كثير ص۲۳)

ومع هذا قتلوا من قتلوا من النبيين حين بلغوهم عن الله شرعه بغير سبب ولا جريمة منهم اليهم الا لكونهم دعوهم الى الحق (تفسير ابن كثير ص۳۵۵)

ابن جریر طبری: ذلت و مسکنت کی وجہ صرف انکار آیات اور قتلِ انبیاء ہے۔

من اجل كفرهم بايات الله وقتلهم النبيين بغير الحق (تفسير ابن جرير ص۳۱۴)

کہتے ہیں کہ، قتل انبیاء خدا کی کمزوری کا نتیجہ ثابت ہوگا؟ عرض ہے کہ مار دھاڑ اور ان کی تضحیک اور سب وشتم جس کو یہ درست بھی مانتے ہیں، کیا آپ کی کمزوری پر منتج نہ ہوگی، غزوہ احد میں لاڈلے نبی کا جو حشر ہوا آپ کا کیا خیال ہے، وہ خدا کی طاقت کی نشانی ہے؟ دراصل یہ جذباتی باتیں ہیں علمی نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ جن کے سلسلے میں چاہتے ہیں، تحفظ مہیا کر دیتے ہیں، ورنہ یہ سارے کام عام اسباب کے مطابق چلتے ہیں۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ: اس طرح تبلیغ کا فریضہ ادھورا رہ جائے گا؟ بھئی! قتل ہو یا موت؟ وقت سے پہلے نہیں آتے۔ دنیا سے کوچ کا وقت مقرر ہے لیکن جانے کے راستے جدا جدا ہیں، جن کے جانے کا وقت آگیا ہے، وہی قتل ہوگا اور نہیں۔ اگر قتل نہ ہوتے تب بھی جانا تھا، تو جب وقت پر آپ طبعی موت کے ساتھ جاتے تو کیا پھر بھی تبلیغ ادھوری سمجھی جاتی؟ اصل میں انبیاء کا کام ابلاغ ہے یقیناً اس کا اتمام پہلے ہو جاتا ہے۔ ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ جو کہنا تھا وہ کہہ بھی نہیں پائے تھے اور وہ قتل ہو گئے ہوں؟

جواب سوال ۳: اگر قرآن و حدیث کے احکام کو تسلیم کرنا کفر ہے تو یقیناً کفر ہے۔

جواب سوال ۴: نص قطعی کا منکر کافر ہوتا ہے۔ باقی مؤوّل کا معاملہ اور ہے۔ منکر کا اور۔

خلاصہ یہ ہے کہ: قرآن و حدیث، صحف سماوی اور مفسرین کی تصریحات کے مطابق: انبیاء کا قتل شرعاً ممتنع نہیں ہے بلکہ یہ ایک واقعہ ہے۔ ذمہ دار علماء اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ قرآن و حدیث کے مطابق قتل انبیاء پر یقین رکھنے والوں کو کافر کہنا، بڑی دھاندلی اور نادانی ہے۔ جو لوگ قرآن و سنت کی مندرجہ بالا نصوص کی تاویل کرتے ہیں، وہ سنی نہیں ہو سکتے، الٹا اندیشہ ہے کہ ان کا اپنا ایمان خطرے میں نہ پڑ جائے!

استفتاء (۲)

(۱)۔ ماہواری کے دنوں میں اگر عورت "آیت سجدہ" سن لے تو کیا کرے؟ سجدہ کرے یا نہ؟

(۲) بریلویوں کی مسجد میں شور محشر برپا رہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک کی نعتیں پڑھتے تھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب:

آیت سجدہ اور حائضہ: اذان بھی سن لے تو حائضہ پر نماز فرض نہیں ہوتی۔ اس لیے آیت سجدہ بھی سن لے تو نماز فرض نہیں ہوتی، اس لیے آیت سجدہ بھی سن لے تو اس کے لیے سجدہ تلاوت ضروری نہیں

عن ابن جریج عن عطاء قال قلت لهٗ أرایت ان مرّت حائض بقوم یقرؤن المصحف فسجدوا، اتسجد معهم؟ قال لا قد منعت خیر من ذلک۔ (ابن ابی شیبہ ۱۴/۲)

ہاں اگر نیازمندانہ سر جھکائے تو انسب ہے۔

عن سعید بن المسیب عن عثمان قال بتومی ایماء برأسھا ایماء (ایضاً)

(۲) مساجد میں:۔ مساجد میں نعتیں جو غالیانہ نہ ہوں، پڑھ سکتے ہیں، واقعی حضرت حسان رضی اللہ تعالےٰ عنہ، حضور کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ایک نعت یا جائز اشعار کا پڑھنا ہوتا ہے۔ دوسرا ان کا گانا، پڑھنا تو بجا ہے اور یہی چیز ثابت ہے۔ باقی رہا مسجدوں میں ان گانا؟ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ غالباً بطور عبادت ان کا گانا، غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا شعار رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ اور قوم ہنود کی عبادت گاہوں کا نظارہ جن دوستوں نے کیا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہاں کیا کیا ہوتا ہے گانے کو وہاں عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ مساجد کو ان کی مماثلت اور مشابہت کے فتنے سے بچایا جائے۔ کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔

مساجد کا مصرف قرآن حکیم نے "ذکر اللہ" بتایا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا۔ (بقرہ ع ۱۴)

وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا۔ (پ ۱۷: الحج ع ۶)

کیونکہ مساجد صرف اللہ کے لیے ہیں:

اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ (پ ۲۹: الجن ع ۱)

حضرت حسان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضور کی موجودگی میں اور حضور کے حکم سے جو شعر پڑھتے تھے وہ جنگی ضرورت کی بنا پر دفاعی شعر کہے تھے۔ اس لیے حضور نے ان سے فرمایا تھا کہ رسول اللہ کی طرف سے دفاع کیجئے۔ الٰہی! روح القدس سے اس کی مدد فرما!

یا حسان اجب عن رسول اللہ اللھم ایدہ بروح القدس (بخاری ص ۶۵)

ایسے اشعار جو روح القدس کی نصرت سے کہے جائیں وہ بجائے خود "ذکر اللہ" کی نوعیت کے ہوتے ہیں۔

ایک اور شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ اس وقت مسجد میں تھے، عرض کی حضور! شعر سناؤں؟ فرمایا: نہ! اس پر اس نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: پر مسجد سے باہر ہو جا! چنانچہ وہ باہر نکل گیا، (جو سنانا تھا، سنایا) پھر آپ نے ان کو ایک کپڑا عطا کیا اور فرمایا: یہ اس

کا عوض ہے جو رب کی مدح کی ہے۔

فاخرج من المسجد نخرج من المسجد قال فاعطاہ الرسول اللہ صلی علیہ وسلم ثوبا وقال، ھذا ابدل ما مدحت بہ ربک (عبد الرزاق ص۴۳۹)

اس سے معلوم یہ ہوا کہ حتی الامکان آپ شعراء کا کلام مسجد میں نہیں سنتے تھے۔

بریلوی دستوں نے کو مساجد کو جس طرح استعمال کر رکھا ہے وہ مساجد کا انتہائی افسوسناک استحصال اور استعمال ہے۔ عدالت عالیہ یا شاہ وقت کے دربار کے آداب میں سے ہے کہ با وقار اور سنجیدہ رہا جائے غل غپاڑہ اور شور و غوغا سے اجتناب کیا جائے! اور لوگ ایسا کرتے بھی ہیں۔ مگر خانہ خدا کی اس حیثیت کا یہ لوگ قطعاً احساس نہیں فرماتے۔

مسنون نعت خوانی نہیں ہوتی بلکہ شور، حشر بر دوش کہرام اور شور برپا ہوتا ہے، جو جواز کی کسی نوعیت کے دائرے میں نہیں آتا۔

حضرت سائب بن یزید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدینہ کے گورنر تھے۔ مسجد میں سو رہے تھے، انہیں حضرت عمر نے جگا کر کہا کہ ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ، چنانچہ میں ان کو لے آیا، ان سے پوچھا: کن سے ہو؟ اہل طائف سے! فرمایا کہ اگر اس شہر کے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا، اللہ کے رسول کی مسجد میں اونچی آواز کرتے ہو:

لو کنتما من اہل البلد لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ص۶۷)

مصنف عبدالرزاق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ: دونوں بھاگ کھڑے ہوئے، آخر ایک ہاتھ لگ گیا اور اس کی پٹائی بھی ہوئی:

فبادراہ فادرک احدھما فضربہ (مصنف ص۴۳۷)

ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمر جب نماز کے لیے نکلتے تو مسجد میں اعلان فرماتے کہ: دیکھئے! شور و غل نہ ہو:

عن نافع ان عبد اللہ (ابن عمر) اخبرہ ان عمر اذا خرج الی الصلوۃ نادی فی المسجد قال: وایاکم واللغط (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۴۱۹، عبد الرزاق ص۴۳۸)

حضرت سعد بن ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، حضرت عمرؓ نے ایک شخص مسجد میں اونچا بولتا تھا تو فرمایا کہ:

جانتے ہو! کہاں کھڑے ہو؟

قال سمع عمر بن الخطاب رجلا رافعا صوته فی المسجد فقال این انت؟

(ایضاً ص۳۱۹/۲)

اس شخص کے بولنے کو آپ نے شور وغل سے تعبیر فرمایا ہے اس کے علاوہ حضرت عمر نے ایک کلیہ کا ذکر فرمایا ہے کہ مساجد میں شور نہیں چاہیے! ۔ مسجد میں تانیں چھوڑے بغیر جن لوگوں کا پیٹ بہر حال پھول جاتا ہے ان کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد سے باہر ایک چبوترہ بنوا دیا تھا کہ وہاں جا کر اپنی خواہش پوری کیا کریں ۔ مسجد میں بہر حال وہ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے ۔

بنی عمر رحبة فی ناحیة المسجد ۔

شور قرآن خوانی کا بھی ہو تو جائز نہیں، دوسرا کہاں جائز ہوگا ۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ۔ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر زور سے قرات نہ کرو:

اعتکف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المسجد فسمعھم یجھرون بالقرآن فکشف الستر وقال الا انکم مناج الیه فلا یوذین بعضکم بعضا ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القرآن او قال فی الصلوٰة (ص۱۳۳/۱)

ہاں درمیانی آواز میں قرآن پڑھنا، جس سے دوسروں کی توجہ متاثر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے (ابوداؤد ص۱۳۳/۱) لیکن بریلوی احباب نے تو صرف مسجد کی حد تک نہیں بلکہ پورے قصبہ اور محلہ کو اپنے شور محشر سے نڈھال کر رکھا ہے اور مسجدوں میں اس قدر شور ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ!

بہر حال: قرآن ہو یا درود، نعت ہو یا لا الہ کا ورد، ان سب کا پڑھنا جائز ہے ۔ گانا اور محشر بدوش تانیں چھوڑنا، ناجائز بلکہ حرام ہے ۔ یہ ریت یہود، ہنود، مجوس اور نصاریٰ کی ہے ۔ یقین نہ آئے تو گرجوں مندروں اور گردواروں میں جا کر دیکھئے!

قرآن حکیم کا ارشاد ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (اعراف ع۷)

"چپکے چپکے اور (نہایت) فروتنی کے ساتھ اپنے رب کو پکارو، وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

رب کو پکارنے کی تین شرطیں بیان کی گئی ہیں: ایک یہ کہ مسکین اور عاجز بندے کی طرح پکارو، دوسرا یہ کہ: چپکے پکارو، تیسرا یہ کہ کہرام نہ مچاؤ! (المعتدین)۔

عاجز اور مسکین بندہ رب کے حضور حاضر ہو۔ اور یوں جیسے طوفان ہو کبھی نہیں ہو سکتا، مسکین بندہ

"کڑکے" نہیں مارا کرتا۔ ایسے مسکینوں جیسی صورت اور عاجز بندہ جیسی آواز اور ندا سجتی ہے۔ اگر یوں آئے جیسے بجلی کی کڑک ہو، جسے پنجابی "اولا" کہتے ہیں تو وہ مسکین نہیں شمار کیا جاتا۔

اہل حدیث، شوافع اور حنابلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ آمین اونچی آواز سے کہو تو یہ دوست اوپر والی آیت پڑھنے لگتے ہیں کہ کیا کریں، قرآن کہتا ہے کہ اونچا نہ بولو! چہ خوب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی نشانی یہ بیان کی گئی کہ رات کو جب بعد میں ذکر کریں گے تو ان کی آواز اتنی نحیف اور لطیف ہوگی جیسے شہد کی مکھی کی آواز:۔

اصواتهم بالليل فی جو السماء کصوت النحل (دارمی صہ) دویهم فی مساجدهم کدوی النحل (دارمی صہ) ۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ میں یہ نشانی پائی جاتی ہے؟۔

حکیم راحت نسیم سوہدروی

حضرت امام بخاریؒ

کس درجہ سے کی خدمتِ اسلام بخاریؒ
ملت ہے تیری خادمِ بے دام بخاریؒ

تو جامع اقوالِ رسول عربی ہے
اس نام سے ہے زندہ تیرا نام بخاری

آیا ہے تیرا نام بھی نام نبیؐ کے ساتھ
ہے تجھ پر یہ اللہ کا انعام بخاریؒ

ہم کو بھی ملے فہم حدیث ایسا کہ ہم بھی
ہوں تیری طرح خادم اسلام بخاریؒ

ارشادِ نبی اصل میں پیغامِ خدا ہے
پیغام نبی ہے تیرا پیغام بخاریؒ

تا حشر احادیث نبیؐ زندہ رہیں گی
تا حشر مٹے گا نہ تیرا نام بخاریؒ

نسیم کو ہے یوں اہل حدیثوں سے محبت
لیتے ہیں عقیدت سے تیرا نام بخاریؒ

پروفیسر محمد سلیمان اظہر ایم۔اے

آیا تھا جب مزاج ترا امتحان پر

جب اہلِ حدیث کی امامت زیرِ بحث آئی

ان دنوں بدقسمتی سے ہمارے ملک میں یہ ناخوشگوار بحث چل نکلی ہے کہ وہابی (نجدی) یا اہلحدیث کی اقتدا میں حنفی خصوصاً بریلوی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ حرمین شریفین کے عالی قدر اماموں کی پاکستان میں آمد اور عوام کی طرف سے ان کی بے پناہ پذیرائی سے بوکھلا کر ہمارے کرم فرماؤں نے یہ بحث شروع کر رکھی ہے اور فتویٰ بازی کا بازار گرم ہے۔

برصغیر کے اہل حدیث حضرات کے لیے یہ بحث کوئی نئی نہیں ہے۔ جب بھی حضرات مقلدین دلائل کی جنگ ہار جاتے ہیں تو پھر اسی قسم کی صورتِ حال پیدا کر کے اپنے مکتبِ فکر کی بقا کا سامان کیا جاتا ہے۔ پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ اہل حدیث پر مساجد کے دروازے بند کرنے، ان کے مسجد میں آ جانے پر مساجد دھلوانے، رفع الیدین و امین بالجہر کہنے پر زد و کوب۔ ان کی لامذہبیت کے فتوے، ان کے معاشرتی بائیکاٹ کی تحریکیں۔ ان کے قتل کے سامان اور عدالتوں میں ان کے خلاف مقدمات کا کھیل بہت پرانا ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ ہم (مقلدین) سوادِ اعظم ہیں (جو سراسر غلط دعویٰ ہے) اس لیے ان قلیل التعداد اہل حدیثوں کو دبا لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لیکن ہوتا ہمیشہ ان کے برعکس رہا۔ کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ اس نام نہاد سوادِ اعظم پر کتنی ہی بار فتح یاب ہوا ہے۔ خواہ وہ تقریر و تحریر کا میدان ہو یا عدالتی کارروائیوں کا سلسلہ ہو۔

برصغیر پاک و ہند میں جب مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے وہ مشہور اشتہار شائع کیا جس میں مقلدین سے ۱۰ سوال کیے گئے تھے تو ان کے جواب سے عاجز آ کر حضرات مقلدین نے ہلڑ بازی شروع کر دی (یہ ۱۸۶۶ء کے گرد و پیش کی بات ہے) مساجد میں عاملین سنت کا داخلہ بند کیا گیا ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو ناجائز کہا۔ جن مساجد میں اہل حدیث امام و خطیب تھے انھیں نکالنے کی

کوشش کی گئی۔ غرض ملک ایک عجیب ہنگامے کی نذر ہو گیا۔ کہیں مساجد دھلوائی جا رہی ہیں۔ اس لیے کہ عاملین سنت کے قدم اس میں پڑ گئے ہیں۔ کہیں مار پیٹ ہو رہی ہے۔ اس لیے کہ آمین و رفع الیدین کی سنت کیوں ادا کی جا رہی ہے۔ کہیں عدالتوں میں مقدمات دائر ہیں کہ امام طریق سنت کے مطابق نماز کیوں پڑھاتا ہے۔ اسے برطرف کیا جائے۔

ایسا ہی ایک مقدمہ جو پریوی کونسل تک پہنچا، ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ مقدمہ منصف، سب جج، ہائیکورٹ اور پھر پریوی کونسل لندن میں سماعت ہوا۔ مقدمے کی بنا یہ تھی کہ امام مسجد اہل حدیث ہو گیا ہے۔ اب وہ آمین اور رفع الیدین کا عامل ہے۔ مسجد احناف کی چلی آرہی ہے۔ امام کے اس فعل سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے امام کو امامت سے برطرف کیا جائے۔ ہماری اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

مقدمہ پہلے منصف کے پاس پہنچا، پھر سب جج کے ہاں منتقل ہو گیا۔ جج نے اہل حدیث کے حق میں فیصلہ دیا۔ مقلدین نے بنگال ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ جس نے سب جج کا فیصلہ کالعدم قرار دے کر مقلدین کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف پریوی کونسل لندن میں اپیل دائر ہوئی۔ جس نے ہائی کورٹ کا فیصلہ منسوخ کر کے اہل حدیث کے حق میں ڈگری دے دی اور یہ قرار دیا کہ آمین یا رفع الیدین کرنے والا اہل سنت میں سے ہے۔ نہ کرنے والوں کی نماز میں آمین کی آواز سے کوئی خلل از روئے شرع محمدی نہیں پڑتا۔ اور کوئی دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ اہلحدیث کی اقتدا میں مقلدین کی نماز ناجائز تصور کی جائے۔

یہ مقدمہ سات سال تک مختلف عدالتوں میں جاری رہا۔ اور ہنگاموں سے ہٹ کر دونوں فریقوں کی طرف سے اپنے دعاوی کے حق میں بہترین دلائل پیش کیے گئے۔ عدالتوں نے دلائل کی چھان پھٹک کی اور آخری فیصلہ اہل حدیث کے حق میں ہوا۔ ہم قارئین کے سامنے پریوی کونسل لندن کا مفصل فیصلہ پیش کرتے ہیں اور اپنے کرم فرماؤں سے درخواست کرتے ہیں کہ اس عدالتی فیصلے کو کسی جگہ چیلنج کر کے اسے منسوخ کرانے کی کوشش کریں کیونکہ یہ ۱۸۹۱ء سے آپ کا منہ چڑا رہا ہے اور بحث و نظر کے میدان میں آپ کی تہی دستی کا مذاق اڑا رہا ہے۔

فیصلہ پریوی کونسل لندن مورخہ ۲۱ فروری ۱۸۹۱ء

بمقدمہ اپیل فضل کریم وغیرہ اپیلانٹ بنام حاجی مولا بخش وغیرہ رسپانڈنٹ

بناراضی فیصلہ مصدرہ ہائی کورٹ بنگال۔ اجلاس۔ لارڈ ورٹس۔ لارڈ ہاب ہاؤس۔ لارڈ مارس سر رچرڈ کاریچ۔

بوقت فیصلہ ادخال عرضی دعویٰ ہذا مدعیان مقدمہ تین شخص تھے۔ یعنی دو شخص جو اس وقت اپیلانٹ ہیں اور علاوہ اس کے ایک شخص حافظ مولا بخش مدعی تھا۔

حافظ مولا بخش امام و مؤذن ایک مسجد واقع تاچپور کا تھا اور دوسرے مدعیان متولی اس مسجد کے تھے۔ مدعا علیہم بارہ اشخاص تھے جو مسجد مذکور میں نماز پڑھتے تھے۔ عرضی دعویٰ میں یہ بیان تھا کہ بعض رواسم جو امام نے جدید قائم کیے تھے ان رواسم کو مدعا علیہم ناپسند کرکے امام کے ساتھ جماعت مسجد کو نماز پڑھانے میں مزاحمت کرتے ہیں۔ وہ لوگ خود عبادت کراتے ہیں یعنی امام بنتے ہیں اور بہت سے دوسرے افعال قبیحہ کرتے ہیں۔

مدعیان نے حسب صراحت ذیل استدعا کی۔

"(الف) عدالت تجویز کرے کہ مدعی (۱) امام و مؤذن مسجد تاچپور کا ہے اور مدعیان نمبر (۲، ۳) متولیان مسجد مذکور کے ہیں اور بحیثیت امام و متولی کے مدعیان کو حق ہے کہ حسب دستور نماز و خطبہ جمعہ و نماز عیدین و منبر و مصلیٰ پر مصلیان مسجد کو پڑھا دیں۔

(ب) عدالت یہ تجویز کرے کہ مدعا علیہم کو حق نہیں ہے کہ مدعیان کے حقوق مذکورہ میں دست اندازی کریں یا کہ افعال مندرجہ دفعہ ۵ عرضی دعوے کے مرتکب ہوں۔

(ج) عدالت یہ تجویز کرے کہ مدعا علیہم کو بحیثیت مسلمان ہونے کے صرف اسی قدر حق ہے کہ صرف بوقت نماز مسجد میں جا کر پیچھے مدعی نمبر (۱) کے نماز پڑھیں اور یہ کہ ان لوگوں کو بغرض دیگر مسجد میں جانے کا حق نہیں۔

(د) عدالت یہ تجویز کرے کہ اگر مدعا علیہم مدعیان کے حقوق امامت و تولیت میں مزاحمت کریں یا افعال مندرجہ دفعہ ۵ عرضی دعویٰ عمل میں لادیں تب مدعیان کو حق ہے کہ مدعا علیہم کو یا کسی دوسرے شخص کو جو ویسا فعل کرے مسجد سے نکال دیں۔" الغرض اولاً عرضی دعویٰ میں استدعا صرف استقراری ڈگری کی تھی۔ اس واسطے عرضی دعویٰ میں ایک استدعا بذریعہ مرمت کے زیادہ کی گئی اور وہ درج ذیل ہے۔

استدعا جدید: مدعا علیہم باز رکھے جائیں کہ حقوق امامت و موذنی میں مدعی نمبر (۱) کے حقوق اور تولیت میں مدعیان نمبر ۲، ۳ کے حقوق میں مزاحمت نہ کریں اور مدعا علیہم پر حکم امتناعی اس نمط کا اجرا

پائے کہ وہ لوگ افعال مندرجہ دفعہ ۴، ۵) عرضی دعویٰ مسجد میں مدعیان کے شریک ہیں اور نہ اس غرض سے مدعیان کی مسجد میں جاویں۔

بیان تحریری میں مدعا علیہم نے اس امر سے کہ حافظ مولا بخش ۲۵ برس سے امام و مؤذن چلا آیا ہے اور دوسرے مدعیان متولی تھے انکار نہیں کیا۔ لیکن یہ بیان کیا کہ مدعیان کے حقوق بوجہ لامذہب ہونے کے زائل ہو گئے۔ اصل عذر مدعا علیہم کے دو ہیں۔

(۱) قبل میں مدعی نمبر ۱ مؤذن تھا اور نماز پڑھاتا تھا لیکن اس نے اپنا مذہب حنفی ترک کر کے وہابی مذہب اختیار کیا ہے۔ پس جب ایسی بات ہے تو مدعی نمبر ۱ از روئے شرع محمدی کسی طرح امامت و موذنی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس لیے نالش ہذا کا اس کو حق نہیں۔

(۲) مدعیان نمبر ۲، ۳ حسب بیان خود ہا متولی نہیں ہیں البتہ وہ لوگ پسران قاضی رفیض الدین متوفی متولی سابق کے ہیں۔ لیکن بوجہ ہونے پسر متولی سابق کے ان لوگوں کو کوئی حق متولی ہونے کا نہیں ہے۔ علاوہ اس کے مدعیان نمبر ۲، ۳ نے اپنا آبائی مذہب سابق ترک کے طریقہ وہابی اختیار کیا ہے۔ اس واسطے ان کو مسجد متنازعہ کے منتظم رہنے کا حق نہیں رہا۔

مدعیان نے ایک تردیدی تحریری بیانات، مدعا علیہم کی داخل کی۔ یہ تردید مسل میں نہیں ہے اور غالباً وہ تردید کوئی ضروری چیز نہیں ہے۔ اس کا خلاصہ اسی قدر ہے کہ بیانات مدعا علیہم سے انکار ہے بماہ اگست ستمبر و نومبر ۱۸۸۴ء مدعا علیہم نے ۳ قطعات درخواست داخل کیے اور ان لوگوں نے جو مدعیان کے ساتھ مخالفت کی تھی اس سے افسوس ظاہر کر کے استدعا کے صدور ڈگری بحق مدعیان کی۔

کوئی حکم مسل میں واسطے التوائے کارروائی بمقابلہ ان مدعا علیہم کے جنھوں نے دعویٰ کو قبول کیا نہیں پایا جاتا۔ لیکن جب مقدمہ ہائی کورٹ میں پہنچا تب ان مدعا علیہم کا نام کارروائی میں باقی نہ رہا۔ بوقت لیے جانے ثبوت کے جس امر کا تکرار فی الاصل فیما بین فریقین تھا وہ ظاہر ہو گیا۔ یعنی لفظ وہابی سے مدعا علیہم نے کچھ ہی مطلب لیا ہو مگر فی الاصل صرف وہ الزام کا مدعیان پر منجانب مدعا علیہم لگایا جانا پایا گیا۔ یعنی یہ کہ مدعیان نے دو رسمیں اختیار کی ہیں جن کو مدعا علیہم برا جانتے ہیں۔ اولاً آمین بالجہر ثانیاً رفع یدین۔

فریقین اپنے کو سنی المذہب بیان کرتے ہیں اور حافظ مولا بخش یہ بیان کرتا ہے کہ ہم ہر حیا لا امام کو برابر جانتے ہیں۔ امید علی یہ بیان کرتا ہے کہ اگر مولا بخش آمین باواز بلند اور رفع یدین چھوڑ دے تو اب بھی ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ ہم اس کو وہابی اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ آمین اور رفع یدین

کرتا ہے۔ دونوں پاؤں علیحدہ علیحدہ کر کے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور سینہ پر ہاتھ باندھتا ہے) پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدعا علیہم کوئی الزام کفر کا مدعیان پر نہیں لگاتے۔ صرف وہی دو الزام لگاتے ہیں اور اس کا جو کچھ نتیجہ ہو۔ اور بہ نسبت انہی دو الزاموں کے بالکل ثبوت اور بحث داخل و پیش کیا گیا ہے۔ پس تصفیہ طلب امر یہ ہے کہ آمین بالجہر و رفع یدین مانع قیام حافظ مولابخش لعہدہ خود ہے یا نہیں۔

یہ امر کہ آمین بالجہر و رفع یدین خلاف سنی مذہب نہیں ہے۔ صاف ظاہر ہے کیونکہ یہ ہر دو فعل کوئی نہ کوئی امام من جملہ چار امام کے جن کے پیرو سنی لوگ ہی کرتے ہیں لیکن مدعا علیہم یہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد متنازعہ کو سنی حنفی المذہب نے تعمیر کیا تھا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک آمین بالخفار جائز ہے اور رفع یدین بالکل جائز نہیں۔ اس بات سے مدعا علیہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوئی شخص غیر مذہب حنفی والا مسجد متنازعہ کا امام و مؤذن و متولی نہیں ہو سکتا اور ثانیاً آمین بالجہر و رفع یدین خلاف طریقہ حنفیہ کے ہے اور مدعیان بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں نتیجے غلط ہیں۔ ہم حکام ولایت نے مضمون بالا غور و تامل کے ساتھ اصل امر تکراری کو بیان کیا ہے کیونکہ ہم لوگوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمہ کی کارروائی میں اکثر اوقات اصل امر تکراری حاضر فی الذہن نہیں رکھا گیا اور بعد اس کے ہم حکام یہ لکھتے ہیں کہ نسبت اس اصل امر تکراری کے اس مقدمہ میں کس کس طور تصفیہ و حکم دیا گیا ہے۔

اوّلاً منصف نے تجویز کیا کہ مقدمہ قابل سماعت نہیں ہے۔ منصف کا وہ فیصلہ بر طبق اپیل مسترد ہو کر باجلاس دیگر بماہ دسمبر ۱۸۸۴ء پیش ہوا۔ اس منصف نے بہ نسبت عہدہ امامت و مؤذنی کے اس نتیجہ کو قبول کیا جو نتیجہ مدعا علیہم نکالتے تھے لیکن بہ نسبت متولی یہ تجویز کیا کہ متولی ناقابل نہیں ہوا۔ منصف کی ڈگری کا مضمون یہ ہے۔

مدعیان نمبر ۲، ۳ متولی مسجد کے رہیں اور مدعی نمبر ۱ بمقابلہ مدعا علیہم مسجد کے امام اور مؤذن متصور نہیں ہو سکتا اور نہ مدعا علیہم پابند ہیں کہ پیچھے مدعی نمبر ۱ کے نماز پڑھیں۔ مدعا علیہم کو ہر صورت حق ہے کہ مسجد میں اپنے طریقہ پر بانتخاب امام حسب پسند خود نماز پڑھیں۔

بر طبق اپیل منجانب مدعیان کے اڈیشنل سب جج نے بماہ مارچ ۱۸۸۶ء مقدمہ کی سماعت کی جو امور اڈیشنل سب جج نے تجویز کیے ان پر لحاظ کرنا ضروری ہے کیونکہ امور واقعات پر ہائی کورٹ میں اپیل نہیں ہو سکتی تھی۔ خلاصہ امور تجویز کردہ سب جج یہ ہیں۔

۱۔ مدعیان فرقہ عامل بالحدیث موسومہ اہل حدیث میں داخل ہیں (۲) عامل بالحدیث مسلمان سنی المذہب ہیں اور سنت والجماعت میں داخل ہیں (۳) اس امر میں کوئی دلیل نہیں کہ عامل بالحدیث

اشخاص حنفی مذہب کو نماز نہیں پڑھا سکتے (۴) فرق صرف اسی قدر ہے کہ عامل بالحدیث آمین بالجہر اور رفع یدین کرتے ہیں (۵)۔ یہ فرق کوئی ایسا فرق نہیں جس سے اشخاص حنفی المذہب کو باقتدار عامل بالحدیث نماز ادا کرنے میں عذر ہو (۶) عامل بالحدیث قیاس و اجماع کی اسی وقت پیروی کرتے ہیں جب کہ وہ قیاس و اجماع قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو یہ اس قسم کا طریقہ ہے جو ہر مسلمان کو کرنا چاہیے۔ (۷) یہ امر کہ مسجد متنازعہ تعمیر کردہ حنفی المذہب ہے مشتبہ ہے (۸) بالفرض اگر حنفی المذہب نے اس مسجد کو تعمیر کیا ہو تب بھی اس بات کا ثبوت نہیں کہ بانی مسجد نے بہ نسبت نماز پڑھنے عامل بالحدیث کے امتناع کیا ہو (۹) مدعا علیہم کو یہ حق نہیں کہ حسب پسند خود امام منتخب کرکے نماز پڑھیں۔

ان امور واقعاتی کی تجویز کا صرف یہی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ حافظ مولابخش عہدہ امامت کے لیے ناقابل نہ تھا اور یہ کہ وہ مستحق حفاظت بمقابلہ مدعا علیہم کے تھا اور یہ کہ فیصلہ منصف قابل استرداد تھا۔ چنانچہ سب جج نے ایسا ہی کیا اور ڈگری بحق مدعی حسب استدعا مندرجہ عرضی دعویٰ معہ خرچہ صادر کی۔

تب مدعا علیہم نے ہائی کورٹ میں اپیل کی اور ہائی کورٹ میں باجلاس دو حاکم کے مقدمہ بماہ دسمبر ۱۸۸۱ء پیش ہوا۔ ہائی کورٹ نے فیصلہ سب جج منسوخ کر دیا کہ فیصلہ منصف بحال کیا۔ حکام ہائی کورٹ نے یہ تصور کیا کہ سب جج نے ان امور کو تجویز کیا ہے جو بالکل غیر متعلق مقدمہ ہیں یعنی یہ امر کہ حنفی المذہب کے واسطے باقتداء عامل بالحدیث نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور یہ کہ عامل بالحدیث اچھے مسلمان ہیں یا نہیں اور امام ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ یہ کل امور غیر متعلق مقدمہ ہیں۔

وجوہات فیصلہ ہائی کورٹ یہ ہیں:۔

امر تصفیہ طلب صرف اس قدر ہے کہ مدعیان جن کو اشخاص حنفی المذہب نے مقرر کیا تھا اور جو بطریقہ حنفی بیس برس تک اپنے عہدے پر کام کرتے آئے ہیں اب مختار اس امر کے ہیں یا نہیں کہ اپنے عہدے کا کام دوسرے طریقہ کے ساتھ انجام دیں۔ کوئی دلیل اس بارے میں پیش نہیں کی۔ کونسل من جانب مدعیان نے اس بارے میں بحث کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے۔ بطور سرسری ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ امام و متولی کو حسب دستور و رشد آمد کے کام کرنا چاہیے مدعیان پر یہ ثابت کرنا لازم تھا کہ وہ مستحق تغیر و تبدل کرنے کے ہیں۔ مگر ان لوگوں نے ثابت نہیں کیا۔

بنا راضی ڈگری ہائی کورٹ کے یہ اپیل دائر ہوئی ہے۔ حافظ مولابخش قبل فیصلہ ہائی کورٹ کے وفات پا گیا لیکن دیگر دو مدعیان کو مقدمہ چلانے کی اجازت دے گیا۔ اگرچہ ان دو مدعیان کی حقیقت

تولیت ہر عدالت سے قائم رکھی گئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ مدعیان نمبر ۲، ۳ کو یہ دعویٰ کرنے کا حق ہے کہ ہم مسجد میں اپنے طریقہ پر عمل درآمد رکھیں گے۔ کیونکہ ثبوت سے ظاہر ہے کہ متولیان کو تقرر امام کا حق ہے۔ پس اس معاملے میں فیصلہ بے شک ویسا ہی ہونا چاہیے کہ گویا حافظ مولا بخش اپیلانٹ ہے۔ مدعا علیہم معترض جو تین اشخاص ہیں حاضر نہیں ہوئے۔ یہ ایک افسوس کی بات ہے کہ ایسے مقدمے کا فیصلہ صرف من جانب ایک فریق کی بحث پر ہو۔

ہائی کورٹ کے فیصلہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کن وجوہ کی بنا پر اپیل کو قابل سماعت تصور کیا۔ یعنی کس امر قانونی کو سب جج نے غلط فیصل کیا تھا یا متروک کیا تھا۔ ہائی کورٹ کے فیصلہ کا مطلب یہی ہے کہ انھوں نے مسجد تاج پورہ کو ایک خاص قسم کی جائداد موقوفہ تصور کیا لیکن یہ ایک واقعاتی بات ہے اور اس کا کوئی ثبوت تحریری موجود نہیں۔ سب جج کی تجویز امور واقعاتی پر ناطق تھی اور ناطق ہے۔ اس بارہ میں سب جج نے جو تجویز بہ نسبت نمبر ۲ مذکورہ کی ہے وہ بالکل مخالف اور مضر مدعا علیہم کے ہے۔ لیکن ہائی کورٹ نے اس بات پر لحاظ نہیں کیا اگرچہ ہم حکام پریوی کونسل کو یہ ضرور نہ تھا کہ امور واقعاتی پر ما سوائے ملاحظہ فیصلہ سب جج زیادہ غور و تامل کرتے لیکن بلحاظ اس امر کے کہ اس مقدمہ کو ہر پہلو و جانب سے جانچنا بہتر ہے۔ ہم حکام نے کل ثبوت کو پڑھنا اور غور کرنا ضروری سمجھا اور بعد اس کے سب جج کی رائے کے ساتھ ہم حکام بالکل مطابقت کرتے ہیں کہ کوئی ثبوت اس بات کا نہیں کہ یہ مسجد صرف واسطے اشخاص حنفی المذہب کے تعمیر ہوئی تھی اور یہ کہ کسی مقصود وقف کی وجہ سے عامل بالحدیث کو امام رہنے کا حق باقی نہیں رہا۔

بہر کیف فیصلہ ہائی کورٹ کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ یہ ایک قانونی امر ہے کہ جب کسی عام جگہ میں عرصہ بیس سال تک عبادت بیک وضع ہوتی آوے تو اس وضع میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا کیونکہ امام یا افسر جو کہ ایسا تغیر و تبدل کرے وہ اپنے عہدہ کے قابل نہیں ہے۔ اگر یہ مطلب ہائی کورٹ کا ہے تو ہم حکام پریوی کونسل تجویز کرتے ہیں کہ ہائی کورٹ کی ایسی رائے قانوناً صحیح نہیں اور واقعات کے لحاظ سے بھی ہائی کورٹ کا ایسا تصور کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ بیان یا ثبوت من جانب مدعا علیہم ایسا صحیح نہیں کہ عرصہ بیس برس تک ایک خاص وضع بلا تغیر و تبدل عبادت ہوتی رہی البتہ صرف دو رسم جن کے بارے میں اعتراض ہے کسی قدر زمانہ حال سے ہے۔ علاوہ اس کے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ امام پابند ہے کہ جس طریقہ پر خود وہ امام یا اس کے قبل کا امام عبادت کرتا آیا ہے اسی طریقہ پر عبادت کرے۔ اور اس کو کچھ بھی اختیار رد و بدل کا معمولی امور میں نہیں۔ جو قانون رواسم مذہبی کا ہوتا ہے ممکن نہیں

کہ وہ بھی اس قسم کا سخت حکم رکھتا ہو کہ ذرا سا فرق کرنا بھی ممنوع ہو۔ اور بہ نسبت امور تکراری مقدمہ ہذا کوئی خاص قانون رواسم مذہبی تکراری کے بارے میں نہیں اگر وہ اصول مان لیا جاوے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر حافظ مولا بخش کوئی معمولی امر عبادت میں ایسا زیادہ کرے جو کسی طرح برا نہ ہو بلکہ بہتر ہو اور کل مصلیان بھی اس پر راضی ہوں تو بھی ایک مصلی یہ عذر کر سکتا ہے کہ چونکہ مولا بخش بیس برس تک امام رہا اور ویسا فعل نہیں کیا اس واسطے وہ باوجود بہتر ہونے اس فعل کے اور رضامندی مصلیان کے نہیں ہو سکتا۔ الغرض ہر مقدمہ میں اصل امر غور طلب یہ ہو گا کہ جو فعل کہ نیا کیا جاتا ہے وہ فعل کس قسم کا ہے یعنی ایک ضروری امر ہے یا غیر ضروری۔ اس بارے میں سب جج نے نہایت عمدہ طور سے فیصلہ لکھا تھا لیکن ہائی کورٹ نے ان ضروری باتوں کو غیر متعلق مقدمہ کہہ کر لحاظ نہیں کیا اور امور تکراری و بیانات فریقین و ثبوت پر لحاظ نہیں کیا۔

ہم حکام پریوی کونسل طریقہ ہائی کورٹ کی پیروی نہیں کر سکتے کیونکہ اگر فیصلہ بحق مدعا علیہم کسی دوسری عمدہ وجہ کی بنیاد پر ہوتا تب بھی ایک بات تھی اور اس بنیاد پر غور کیا جاتا۔ بر بنیاد دستور جو فیصلہ ہوا وہ کسی طرح قابل پسند نہیں ہو سکتا۔ اس مقام پر تا وقتیکہ فیصلہ الہ آباد ہائی کورٹ مندرجہ جلد ۱۳ صفحہ ۴۹ عطاء اللہ بنام عظیم اللہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ تجویز کیا ہے کہ مسجد ملک خدا ہے اور کل مسلمان اسکو استعمال کر سکتے ہیں اور کوئی خاص فرقہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ صرف ہم استعمال کریں گے اگر یہ اصول قائم کردہ الہ آباد ہائی کورٹ قبول کیا جائے تو اس مقدمہ میں جو فیصلہ ہائی کورٹ کا ہو وہ بالکل غیر درست معلوم ہو گا۔

اس فیصلہ الہ آباد ہائی کورٹ پر مسٹر ڈائن صاحب نے تکیہ نہیں کیا اور نہ وہ مسئلہ اس مقدمہ میں امر تکراری ہے کیونکہ یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ اس مسجد کو صرف کسی فرقہ کے مسلمان استعمال کرتے تھے اس لیے بہ نسبت مسئلہ قائم کردہ حکام الہ آباد کے ہم حکام اس وقت کوئی رائے ظاہر نہیں کرتے۔

جس امر پر ہر دو عدالت ضلع میں زیادہ مباحثہ و تقریر ہوا وہ یہ ہے کہ آیا رفع یدین (کیونکہ صرف بہ نسبت آمین و رفع یدین کے حافظ مولا بخش پر الزام لگایا گیا ہے اور اس وجہ سے وہ اپنے کو عامل بالحدیث بیان کرتا ہے اور اس کے مخالفین اس کو وہابی بیان کرتے ہیں) اس قسم کا نیا فعل ہے یا نہیں جس کے سبب سے کوئی شخص مستحق امامت کا ایسی مسجد میں نہ رہے جس میں آمین و رفع یدین ہوتا آیا ہو۔ اگر اس سوال کے جواب میں یہ کہا جائے کہ ہاں آمین و رفع یدین اسی قسم کا فعل ہے تو یہ جواب خواہ مبنی بر حکم صریح شرع محمدی کے ہو گا یا مبنی اوپر دستور کسی فرقہ مذہبی کے اور اس قسم کے دستور پر مبنی ہو گا جس

کی وجہ سے وہ فرقہ کسی دوسرے فرقہ مخالف کے ساتھ نماز پڑھنے کا مجاز نہ ہوگا۔ درباره حکم صریح قانونی کے ہم حکام پریوی کونسل کہتے ہیں کہ ایسا کوئی معتبر قانون صریحہ شرع محمدی کا دکھلایا نہیں گیا۔ ہدایہ میں باب الصلوٰۃ بہت طوالت کے ساتھ ہے اور اس میں رائے ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد ابو یوسف و عبداللہ محمد کی جیسا کہ ششم صدی ہجری میں سمجھا گیا درج ہے لیکن مسٹر ہملٹن جنھوں نے بحکم گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کے کتاب ہدایہ کا ترجمہ کیا۔ باب الصلوٰۃ کا ترجمہ نہیں کیا کیونکہ انھوں نے سمجھا کہ اس باب سے فیصلہ جات متعلقہ جائداد کا کوئی تعلق نہیں اور جہاں تک ہم حکام جانتے ہیں اس باب کا ترجمہ انگریزی میں اصل کتاب عربی سے نہیں ہوا اور نہ کوئی کتاب منجانب مدعا علیہم ایسی پیش کی گئی کہ جو شخص مقلد امام ابوحنیفہ کا ہے وہ اگر کوئی فعل دیگر امام کا کرے گا تو وہ بری ہے۔ یا اس سبب سے وہ حنفی باقی نہیں رہے گا۔ بہ نسبت لفظ آمین کے الٰہ آباد ہائی کورٹ میں دو فیصلے ہوئے ایک وہ فیصلہ جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا دوسرا فیصلہ جلد ۷ صفحہ ۱۴۶ میں درج ہے۔ یہ مقدمہ یعنی ملکہ معظمہ بنام رمضان ایک فوجداری کا مقدمہ تھا۔ اس مقدمہ میں تکرار یہ تھا کہ آیا لفظ آمین ایسا برا لفظ ہے یا نہیں جس سے دوسرے لوگوں کو صدمہ پہنچے۔ ہر دو مقدمہ میں جسٹس محمود نے بہت صراحت کے ساتھ لکھا تھا کہ لفظ آمین کس طور سے استعمال کرنا چاہیے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اگرچہ مطابق مذہب ابوحنیفہ کے آمین آہستہ کہنا چاہیے مگر ہر سہ امام دیگر کے مطابق بآواز بلند کہنا چاہیے اور اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ آمین کہنا ضروری ہے مگر کس قدر زور سے کہنا چاہیے اس کی نسبت کوئی دلیل یا حکم نہیں۔ ہر دو مقدمات میں یہ تجویز ہوا کہ سنی المذہب آمین و رفع یدین کر سکتا ہے۔ پس ہم حکام پریوی کونسل یہ تجویز کرتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی قانون مذہبی موافق مدعا علیہم کے نہیں ہے تب ہم حکام درباره دستور و رواج کے غور کرتے ہیں۔ دستور و رواج بالکل ایک امر اتفاقی ہے۔ پس اس بارے میں تجویز سب جج ناطق ہے جیسا کہ اوپر صراحت ہو چکی۔ لیکن چونکہ مقدمہ یک طرفہ سماعت ہوا ہے اس واسطے ہم حکام نے درباره اس کے بھی غور کیا اور ثبوت پر لحاظ و تامل کیا اور آخر ش بعد لحاظ و تامل کے سب جج کی رائے سے مطابقت کرتے ہیں۔

اہل سنت چار امام کی پیروی کرتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ چار امام کے مطابق قانون مذہب اسلام بایں ترتیب ہے اولاً قرآن، دوم حدیث نبوی، سوم رسوم اجماع، چہارم قیاس۔ یعنی خانگی رائے، مگر ہر چہار امام بہت سے امور فروعی میں مختلف ہیں کہ من جملہ ان اختلافات کے آمین و رفع یدین ہے کوئی شخص چاروں امام کی پیروی ہر امر میں نہیں کر سکتا لیکن ہر امام کا پیرو

مساوی درجہ کا عمدہ سنی شمار کیا جاتا ہے۔ بیان متذکرہ بالا مطابق کتاب کے ہے اور اس بیان کی تائید مولوی نور الحسن کے اظہار سے ہوتی ہے اور بھی بھاری تائید اس کی علمائے دہلی جن کا اظہار ہوا ہے کرتے ہیں۔ تیس علمائے دہلی نے ۱۸۸۸ء میں ایک فتویٰ تیار کیا جس میں انھوں نے اپنے ہم مذہب کو یہ فتوی دیا کہ امر فروعی ہیں جس میں آمین و رفع یدین شامل ہے آپس میں جھگڑا نہ کریں۔ ان میں سے پانچ علمار کا اظہار ہوا ایک عالم نے یہ اظہار دیا کہ ہم کسی خاص امام کی پیروی نہیں کرتے۔ جس کا مطلب یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ گواہ اپنے کو اس امر کا مجاز سمجھتا ہے کہ حسب پسند اپنے جس کی پیروی چاہے کرے۔ دوسرا عالم کہتا ہے کہ ہم چاروں اماموں کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ ہر امر فروعی میں ہر چہار امام کی پیروی غیر ممکن ہے۔ تیسرے امام نے یہ اظہار دیا کہ ہم چاروں امام و حدیث کی پیروی کرتے ہیں۔ چوتھے نے یہ اظہار دیا کہ ہم امام ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اس چوتھے عالم نے باوجود حنفی ہونے کے فتویٰ پر دستخط کیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نسبت آمین و رفع یدین کے ان کی رائے ہے کہ جس طور سے چاہے اس بارے میں عمل کرے۔

نور الحسن گواہ منصف تھے جن کے یہاں اولاً مقدمہ دائر ہوا اور وہی مولوی نور الحسن اس مقدمہ کو فیصل کرتے اگر مدعیان گواہ قرار دے کر مقدمہ کو ٹرانسفر نہ کراتے۔ یہ شخص عالم ہے اور عربی جانتا ہے۔ حنفی ہے اور آمین آہستہ کہتا ہے۔ رفع یدین نہیں کرتا۔ مولوی نور الحسن نے فتوے کے ساتھ اپنی مطابقت ظاہر کی اور یہ نسبت بعض علمائے کرام کے جن کے دستخط ہیں بڑی وقعت ظاہر کی۔ اس نے مندرجہ ذیل اظہار دیا۔ جو لوگ آمین و رفع یدین نہیں کرتے وہ آمین و رفع یدین کرنے والوں کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں اور اس رائے کی تائید میں انھوں نے بہت کتب پیش کی ہیں۔ شیخ احمد یکے از چندہ دہندگان مسجد میں سے ہیں۔ یہ گواہ نمبرا مدعا علیہم کے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ہم عامل بالحدیث اور احناف دونوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور چونکہ انھوں نے مکہ کی زیارت کی ہے۔ اس واسطے وہاں کا حال یہ بیان کیا ہے کہ پیروان ہر چہار امام پیچھے عامل بالحدیث کے نماز پڑھتے ہیں اور عامل بالحدیث پیچھے پیروان ہر چہار امام کے اور ناجپور اور اس کے قرب و جوار میں بھی احناف پیچھے عامل بالحدیث کے نماز پڑھتے ہیں۔

جو حال مکہ کا گواہ ہذا نے بیان کیا ہے وہ مطابق رائے جسٹس محمود کے ہے جو مقدمہ ملکہ معظمہ بنام رمضان درج ہے۔ گواہ ہذا نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کعبہ میں ہر چہار فرقے کے لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کسی فرقہ کی نماز ناجائز نہیں ہوتی۔ اس گواہ کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد ناجپور میں اگرچہ زیادہ لوگ جانے والے حنفی فرقہ کے

ہیں مگر سوائے مدعا علیہم کے کسی مصلی کو بہ نسبت طریقہ عبادت حافظ مولا بخش کے اعتراض نہیں۔ برخلاف اس قدر ثبوت ورائے علمائے مذہب اسلام اور نیز خلاف طریقہ مجاریہ مصلیان اسلام کے کیا ثبوت من جانب مدعا علیہم گزرا ہے۔ من جانب مدعا علیہم سادہ کاغذ کے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ نہ کتاب نہ رائے علماء۔ نہ طریقہ مجاریہ کسی فرقہ کا دکھلایا۔ سب جج کی رائے سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں دکھائی گئی اور سب جج نے جو استدعا مدعیان منظور کی تھی اس سے اختلاف کرنے کی بھی کوئی وجہ درج نہیں۔ البتہ سب جج نے مدعیوں کو استدعا کی منظوری کرنے میں ایک مقام پر پیروی الفاظ مندرجہ استدعا کی ضرورت سے زیادہ کی ہے۔ دفعہ حرف د استدعا واسطے استقراری ڈگری کے ہے کہ مدعیان کو اختیار دیا جائے کہ مدعا علیہم کو بصورت کرنے مزاحمت کے نکال دیں۔ عدالت کو یہ مناسب نہیں ہے کہ اس قسم کی استقراری ڈگری صادر کرے۔ مدعیان کو چاہیے کہ حکم امتناعی کو جس کی انھوں نے استدعا کی ہے کافی سمجھیں اور جب ضرورت ہو حسب مشورہ وکلاء اس حکم امتناعی سے کام لیں اور فائدہ اٹھائیں۔ ہائی کورٹ الٰہ آباد کو مناسب تھا کہ فیصلہ سب جج بنا منظوری استدعا مندرجہ دفعہ حرف د ترمیم کرتا اور ماسوائے اس استدعا کے اپیل کو مدعا علیہم کی معہ خرچہ ڈسمس کرتا۔ الغرض ہم لوگ ملکہ معظمہ کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ فیصلہ ہائی کورٹ مسترد کر کے مطابق صراحت بالا ڈگری صادر کریں اور رسپانڈنٹ خرچہ اپیل ہذا کا اپیلانٹ کو ادا کرے۔

ترجمہ ڈگری پریوی کونسل

مورخہ ۲۲ر فروری ۱۸۹۱ء اجلاس ملکہ معظمہ قیصر ہند۔ حاضرین اجلاس آرچ بشپ لارڈ پریسیڈنٹ وغیرہم۔ آج رپورٹ مندرجہ ذیل ۲۱ر فروری از مسلہ پریوی کونسل روبرو ملکہ معظمہ پڑھی گئی۔

مضمون رپورٹ پریوی کونسل

حسب الحکم ملکہ معظمہ مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۸۸۸ء مقدمہ اپیل بنا راضی فیصلہ ہائی کورٹ بنگال فضل کریم و فضل الرحیم اپیلانٹ بنام حاجی مولا بخش پریوی کونسل میں پیش ہوا۔ اس مقدمہ میں استدعا مدعیان مندرجہ ذیل ہے (الف نمبر۱) یہ قرار دیا جائے کہ مدعی نمبر۱ امام موذن مسجد واقع تاجپور پرگنہ سرشتا کا ہے اور مدعیان نمبر۲، ۳ متولی مسجد مذکور کے ہیں اور یہ کہ بحیثیت امامت و تولیت کے مدعیان کو حق ہے کہ حسب سند آمد قدیم مسجد مذکور میں خطبہ و نماز جمعہ نیز نماز یومیہ مسجد کے منبر اور مصلے پر مصلیوں کو پڑھائیں (ب نمبر۲) مدعا علیہم کو حق نہیں کہ مدعیان کے حقوق امامت و تولیت میں مزاحمت کریں یا کہ افعال مندرجہ دفعہ ۵ عرضی دعویٰ کے مرتکب ہوں (ج نمبر۳) عدالت یہ قرار دے کہ

مدعا علیہم کو بحیثیت مسلمان ہونے کے صرف اسی قدر حق ہے کہ بوقت نماز مسجد میں جا کر باقتداء مدعی نمبر ۱ نماز پڑھیں۔ ان کو کوئی حق مسجد میں جانے کا بغرض دیگر نہیں ہے (د نمبر ۴) عدالت یہ قرار دے کہ اگر مدعا علیہم بحقوق مدعیان بحیثیت امامت و تولیت کے دست اندازی کریں یا افعال مندرجہ دفعہ ۵ عرضی دعویٰ کے مرتکب ہوں تو مدعیان کو حق ہے کہ مدعا علیہم کو یا کسی دوسرے شخص کو جو ایسا کرے مسجد سے نکال دیں۔ (س نمبر ۵) خرچہ دلایا جائے ــــ بعد اس کے کل مدعا علیہم نے ماسوائے نور احمد مدعا علیہ کے بیان تحریری داخل کیا فریقین نے ثبوت داخل کیا۔ اور باجلاس منصف مظفر پور بتاریخ ۲۳ر فروری پیش ہوا۔ جس میں یہ حکم ہوا کہ دعویٰ مدعی مع خرچہ ڈسمس ہوا اور مدعا علیہم نصف خرچہ مع سود بشرح ۶ روپے سینکڑہ سالانہ مدعیان سے پاویں لیکن اس حکم سے حقوق عہدہ میں مدعیان کے کوئی ضرر نہ ہوگا اور مبلغ ۲۷ روپیہ خرچہ مدعا علیہم کو دیویں۔ بناراضی اس حکم کے ۴ مدعیان نے سب جج کے یہاں اپیل کی۔ اور سب جج نے بتاریخ ۱۵ر جولائی ۱۸۸۳ء فیصلہ صادر کیا کہ مقدمہ واسطے تجویز ثانی کے منصف کے یہاں واپس جاوے اور فیصلہ منصف منسوخ ہو۔ تب مدعا علیہم نے ماسوائے نور احمد مدعا علیہ کے ہائی کورٹ کو بتاریخ ۲۲ر فروری ۱۸۸۴ء اپیل مع خرچہ کیا۔ تب ثبوت دوبارہ منجانب فریقین گزرا اور منصف دوم مقام مظفر پور نے بتاریخ ۲۷ر دسمبر ۱۸۸۴ء یہ فیصلہ صادر کیا کہ مدعیان نمبر ۲، ۳ متولی مسجد کے رہیں لیکن مدعی نمبر ۱ امام و مؤذن مسجد تاجپور کا بمقابلہ مدعا علیہم معترض کے قرار نہیں پا سکتا اور نہ مدعا علیہم پابند ہیں کہ مدعی نمبر ۱ کے پیچھے نماز پڑھیں بلکہ مدعا علیہم کو حق حاصل ہے کہ بانتخاب امام حسب پسند خود نماز پڑھیں۔ اور استدعا حکم امتناعی نامنظور ہوتی ہے اور فریقین خرچہ اپنا اپنا ذمے اپنے اپنے جانیں۔ تب مدعیان نے سب جج کے روبرو اپیل کیا اور سب جج نے بتاریخ ۱۵ر مارچ ۱۸۸۶ء یہ فیصلہ صادر کیا کہ اپیل ڈگری ہوا کل استدعا مدعیان منظور کی گئی اور مدعیان خرچہ کل عدالت کا مدعا علیہم معترض سے مع شرح سود ۶ روپیہ سینکڑہ سالانہ پاویں۔ تب امید علی و مولا بخش و رحیم و فضلے نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کیا۔

اور بتاریخ چھ دسمبر ۱۸۸۷ء ہائی کورٹ نے فیصلہ صادر کیا اور فیصلہ سب جج منسوخ کیا اور فیصلہ منصف بحال کیا اور بہ نسبت خرچہ کے یہی حکم صادر کیا۔ تب اپیلانٹوں نے اجازت اپیل پریوی کونسل کے لیے استدعا کی اور ہائی کورٹ نے بتاریخ ۱۳ر جولائی ۱۸۸۸ء استدعائے اپیل پریوی کونسل منظور کی۔ پریوی کونسل نے حسب الحکم ملکہ معظمہ کے اپیل سماعت کی۔ مگر منجانب رسپانڈنٹ کوئی حاضر نہ تھا۔ اب پریوی کونسل رپورٹ ہذا حضور ملکہ معظمہ میں ارسال کر کے یہ مشورہ دیتی ہے کہ فیصلہ و ڈگری ہائی کورٹ مورخہ ۶ر دسمبر ۱۸۸۷ء منسوخ ہونا چاہیے اور اگر ملکہ معظمہ رپورٹ ہذا کو پسند کرے تو پریوی کونسل حکم کرتی ہے کہ رسپانڈنٹ خرچہ اپیل ہذا

کا جو ہائی کورٹ میں ہوا ہو اور علاوہ ۲۳۶ پونڈ ۲ شلنگ اور ۴ پنس خرچہ ملک انگلستان کا اپیلانٹان کو ادا کرے۔

ملکہ معظمہ بعد ملاحظہ رپورٹ وحسب مشورہ پریوی کونسل کے پریوی کونسل کی رپورٹ کو پسند کرتی ہے اور ڈگری صادر کرتی ہے کہ فیصلہ و ڈگری ہائی کورٹ مورخہ ۶ ر دسمبر ۱۸۸۹ء منسوخ ہوا اور فیصلہ و ڈگری ایڈیشنل سب جج مظفرپور باستثناء استدعا دفعہ ۴ عرضی دعوی بحال ہوا اور اپیل جو بنا راضی فیصلہ سب جج بعدالت ہائی کورٹ ہوا تھا مع خرچہ ڈسمس ہوا اور اپیلانٹان خرچہ اپیل ہذا جو ہائی کورٹ میں ہوا ہو اور بھی ۲۳۶ پونڈ ۲ شلنگ اور ۴ پنس جو انگلستان میں خرچ ہوا وہ رسپانڈنٹان سے پاویں۔ حکام ہائی کورٹ و دیگر اشخاص متعلقہ واقف و آگاہ ہوں۔ تمام شد

(ماخوذ از "اقامۃ البرہان علی بطلان التبیان از مولانا عبدالاحد خانپوری۔ صفحہ ۳۶۸ تا ۳۸۰

مطبوعہ۔ شریف پریس راولپنڈی۔ شوال ۱۳۳۷ھ

قارئین کرام! یہ طویل فیصلہ جو برٹش ایمپائر کی سب سے بڑی عدالت سے بنگال ہائی کورٹ کے انگریز ججوں کے فیصلے کے خلاف صادر ہوا۔ بغور ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ اہل حدیث کو اہلسنت قرار دیا گیا ہے۔ اہل حدیث کی اقتداء میں مقلدین کے دلائل سننے کے بعد مقلدین کی نماز کو درست قرار دیا گیا ہے۔ ہم اپنے ان کرم فرماؤں سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اپنے تازہ موقف میں سچے ہیں تو پریوی کونسل میں پیش ہو کر یہ موقف کیوں نہ پیش کیا۔ وہاں سے بھاگ کیوں گئے تھے۔ آخر وہ نئے دلائل کون سے ہیں جو اس فیصلے کے بعد ان لوگوں کے ہاتھ آئے ہیں، وہ دلائل لے کر یہ کسی عدالت میں کیوں نہیں جاتے اور پریوی کونسل کا یہ فیصلہ کالعدم کیوں نہیں کرواتے۔ عوام کالانعام کو ایسی باتوں سے بے خبر رکھ کر کیوں غلط راستے کی طرف ہانک رہے ہیں۔ حقائق کو پس پشت ڈال کر تعصب اور ہٹ دھرمی سے کیوں اپنی عاقبت خراب کی جا رہی ہے۔ حرمین کے ائمہ اور عاملین سنت کو کیوں مورد طعن بنایا جا رہا ہے۔ ہم آئندہ نشست میں علمائے احناف کے دو فتوے آپ کے سامنے پیش کریں گے اور بتائیں گے کہ جن امور کے باعث آج کے مقلدین حضرات اہل حدیث کو مطعون کرتے ہیں، جب آج سے ۹۰ سال قبل انہی امور پر بحث و نظر کا سلسلہ شروع ہوا تھا تو علمائے احناف نے کس طرح اہلحدیث کے مسلک حق کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔

اُمت ایک غیر منقسم وحدت ہے جسے فرقہ بندی اور انتشار سے محفوظ رکھنا ہم سب کا اولین فریضہ ہے۔

عزیز زبیدی وار برٹن

تعارف و تبصرہ کتب

علوم القرآن اور اصولِ تفسیر — مولانا محمد تقی عثمانی
صفحات — ۵۱۰
قیمت — ۲۷/ روپے
پتہ — مکتبہ دار العلوم - کراچی نمبر ۱۴

مولانا عثمانی معروف اہلِ قلم اور عالم دین ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ الولد سر لابیہ، باپ کی طرح علم و قلم میں جہاں گہرائی اور گیرائی رکھتے ہیں وہاں کافی حد تک محتاط بھی لکھتے ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب "علوم القرآن اور اصولِ تفسیر" مولانا موصوف کی تازہ تصنیف ہے، اس میں انہوں نے قرآن حمید اور اس سلسلے کے دوسرے اہم موضوعات سے تفصیلی اور محققانہ بحث کی ہے۔

اس کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں آٹھ ابواب ہیں، باب اول تعارف، دوم تاریخ نزولِ قرآن سوم قرآن کے سات حروف، چہارم ناسخ و منسوخ، پنجم تاریخ حفاظت قرآن، ششم حفاظت قرآن سے متعلق شبہات اور ان کا جواب۔ ہفتم حقانیتِ قرآن، ہشتم مضامین قرآن۔

حصہ دوم میں کل چار باب ہیں، باب اول علم تفسیر اور اس کے مآخذ، دوم تفسیر کے ناقابل اعتبار مآخذ، سوم تفسیر کے چند ضروری اصول، چہارم قرونِ اولیٰ کے بعض مفسرین۔

دونوں حصوں میں ہر باب کے نیچے متعدد عنوان ہیں جن کے تحت نہایت عالمانہ اور بصیرت افروز مباحث ملتے ہیں۔

قرآن حمید اور قرآن پاک کے ماہر علمائے کرام کے سلسلے کے بعض اعتراضات کے جو جوابات دیئے گئے ہیں، وہ شافی اور خاصے فاضلانہ ہیں۔ خاص کر تفسیر قرآن کے بعض ناقابلِ اعتبار مآخذ کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے اس کا مطالعہ بھی نہایت بصیرت افروز ہے۔

"تفسیر کے چند ضروری اصول" کے عنوان کے تحت تفہیم قرآن کے لیے بعض بنیادی اصولوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے جو عموماً جمہور کے نقطۂ نظر کے مطابق ہیں۔ گو بعض مباحث سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے تاہم مجموعی لحاظ سے کتاب کا مواد نہایت احتیاط سے مرتب کیا گیا ہے اور خاصا محققانہ ہے۔

حقیقت اور مجاز کے سلسلے میں ترجمان القرآن حضرت امام ابن تیمیہؒ (ف ۷۲۸ھ) کا بھی ایک نظریہ ہے جو اس قابل ہے کہ اس کا ضرور مطالعہ کیا جائے۔ اگر فاضل مؤلف اس پر بھی تفصیلی روشنی ڈالتے تو یہ مضمون اور جامع ہو جاتا۔ یہ تنہا ابن تیمیہ کی بات نہیں، علمائے ظاہر، شوافع میں سے ابن القاص مالکیوں میں سے خویز منداد جمہور کی تعبیر سے مطمئن نہیں ہیں۔ (الاتقان)

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ حقیقت وہ لفظ ہے جو اپنے موضوع لہ میں مستعمل ہو ورنہ وہ مجاز ہو گا، آخر اس وضع سابق کا پتہ کیسے چلایا جائے گا؟ اور اس کا کیا ثبوت ہے۔

انهم قالوا الحقيقة اللفظ المستعمل فيما وضع له والمجاز هو المستعمل في غير ما وضع له، احتاجوا الى اثبات الوضع السابق على الاستعمال وهذا يتعذر (كتاب الايمان ص۳۳)

بعض مقامات میں تبصرہ اور جواب کا انداز خاصا تیز ہے اور بعض جگہ تو اسلوب بیان بھی کسی حد تک ثقاہت کے شایانِ شان نہیں رہا۔ گو اس کی حیثیت رد عمل کی ہے تاہم علم و ثقاہت کا مقام مزید احتیاط کا متقاضی ہے۔

مؤلف موصوف کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے انھوں نے علوم القرآن تالیف فرما کر ایک بہت بڑی علمی ضرورت کو پورا کیا ہے — اور "درر منثورہ" کو یکجا کر کے فکر و نظر کے لیے ایک جاذب نظر ہار مہیا کر لیا ہے۔

(۲)

مکمل تعلیم الاسلام۔ چار حصے مجلد	حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہانپوری
صفحات۔ کاغذ	۳۰۴ - جہازی نیوز
قیمت	۶/- روپے
ناشر و ملنے کا پتہ	کتب خانہ شان اسلام۔ راحت مارکیٹ۔ اردو بازار لاہور

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے عظیم فقیہ اور فقہ حنفی میں ان کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ ان کے دور میں ان کے فتاووں کو قبول عام حاصل تھا۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں راقم الحروف کو ان کا درس بخاری سننے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں نازل کرے!

تعلیم الاسلام اپنی کی ایک عام فہم کتاب ہے، جو خاص طور پر بچوں کے لیے لکھی گئی تھی، سوال و جواب کے ذریعے دین اور دینی مسائل سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ فقہی مسائل حنفی نقطۂ نظر سے لکھے گئے ہیں۔ پہلے حصے میں کلمہ شریف، قرآن حکیم، قبلہ اور نماز کے مسائل بتائے گئے ہیں۔ دوسرے میں کچھ بنیادی عقائد اور نماز کی شرائط کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے میں عقائد کے سلسلے کے مزید کچھ مسائل اور نماز کے باقی ماندہ مسائل کی تفصیل پیش کی گئی ہے اور چوتھے میں، مزید عقائد کے ساتھ ایمان و عمل صالح، گناہ، کفر و شرک، بدعت اور توبہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ کتاب اسی لحاظ سے کافی تسلی بخش ہے کہ لکھنے والے بڑے ذمہ دار بزرگ اور عالم دین ہیں، جو حنفی نقطۂ نظر کی صحیح ترجمانی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ عقائد کے سلسلے کے بعض مسائل پہ تو نہایت دلنشین تفصیل پیش کی گئی ہے۔

(۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں	حافظ فضل الرحیم۔ خطیب مدینہ مسجد و مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور
صفحات	۱۱۲
قیمت	۲/- روپے
ناشر و ملنے کا پتہ	مذکور

مضمون رسالے کے نام سے ظاہر ہے۔ مؤلف موصوف مدینہ مسجد، چوک پرانی انار کلی میں درس قرآن دیا کرتے ہیں، مسنون دعاؤں کا جب ذکر آیا تو سامعین نے خواہش کی کہ ان کو یک جا مدون کر دیا جائے چنانچہ یہ رسالہ، ان کی فرمائش کی تعمیل کے لیے لکھا گیا ہے۔

رسالے کے شروع میں دعاؤں کی فہرست دی گئی ہے جس سے دُعا کی تلاش میں بڑی آسانی رہتی ہے ہر دعا کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ کس موقع پر پڑھی جائے۔ پھر ہر دعا کے ساتھ ترجمہ بھی دیا گیا ہے جو عام فہم اور خاصا دلنشین ہے۔ پڑھنے والے کو اس سے پتہ چل سکتا ہے کہ وہ خدا سے کیا مانگ رہے ہیں۔

دوسری بدعات کے ساتھ خانہ ساز دعاؤں کا بڑا رواج ہو گیا ہے، جو متفقی اور مسجع تو ضرور ہوتی ہیں مگر افسوس! مسنون بہت کم ہوتی ہیں۔ بہرحال زیر تبصرہ رسالہ کی یہ خوبی ہے کہ ہر دعا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی دعا ہے۔ جس سے زیادہ پر تاثیر اور کوئی دعا نہیں ہو سکتی۔ اس میں اگر کتاب کے حوالے کا بھی التزام کر لیا جاتا تو سونے پر سہاگہ ہوتا۔

(۴)

مسنون دعائیں — مولانا محمد عاشق صاحب ۔ بلند شہری

صفحات مع خوبصورت ٹائیٹل — ۱۹۰

قیمت — ۱/۷۵ روپے

ناشر و پتہ — مکتبہ شان اسلام ۔ راحت مارکیٹ ۔ اردو بازار لاہور

یہ کتاب پہلی سے بھی زیادہ جامع ہے، مزید یہ کہ اس میں کتاب کے حوالے کا التزام بھی کیا گیا ہے کہ یہ دعا حدیث کی کون سی کتاب میں ہے۔

بات اپنی اور زبان پیارے رسول کی، سوچیے! پھر کمی کیا رہ جائے گی؟ ہر دعا کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ جو خاصا دل نشین اور عام فہم ہے، کس وقت کونسی دعا پڑھی جائے اور کون سے حالات میں کیا دعا ہونی چاہیے؟ اس میں اس کی ساری تفصیل آگئی ہے۔

ہمارے نزدیک ایسی کتابوں کو رواج دینا چاہیے تاکہ اہل بدعت نے "پیارے رسول کی پاک زبان" کے بالمقابل ادھر ادھر کی زبانوں کو رواج دے ڈالا ہے، ان کا مداوا ہو جائے! خدا کی شان ہے کہ: ان مدعیوں کو پیارے رسول کی پیاری زبان میں دعا مانگنا بھی دو بھر ہو گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۵)

مسئلہ آئین و حکومت — محترم جناب ریاض الحسن نوری۔ ایم۔ اے

صفحات — ۶۸

قیمت — ۲/- روپے

پتہ — مکتبہ علمیہ ۔ ۱۵ لیک روڈ ۔ لاہور

فاضل مؤلف ان خوش نصیب افاضل میں سے ہیں جنھوں نے زمیندار خاندان اور جدید تعلیم گاہوں میں آنکھیں کھولیں اور قلب و نگاہ کو مسلمان رکھا۔ پنجاب یونیورسٹی کے فاضل ہونے کے ساتھ موصوف علوم عربیہ، بالخصوص کتاب و سنت سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی ذاتی لائبریری میں علوم دینیہ اور تاریخ و سیر پر مشتمل عربی کتابوں کا ایک گراں قدر سرمایہ ہے، جس میں موصوف شب و روز گم رہتے ہیں، کتاب الخروج یحییٰ بن آدم پر حال ہی میں ایک تعلیقات لکھ کر اہل علم طبقہ سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے علمی مضامین ملک کے علمی اور ادبی جرائد (مثلاً ترجمان القرآن) میں بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتے رہتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب بھی موصوف کا ایک علمی مضمون ہے، جس میں انھوں نے "اسلامی آئین کی اہمیت اور ضرورت" پر روشنی ڈالی ہے اور اس سے جو حکمران گریز کرتے ہیں ان کی کچھ نشانیاں بھی ذکر فرمائی ہیں، علمارِ سوء اور گمراہ حکمرانوں کا کمل کر ذکر کیا ہے۔

منافق اور کمیونسٹ کیا چاہتے ہیں اور ایک ریاست کے بارے میں ان کے کیا نظریات ہیں، پاکستانی حکمران، صدرِ مملکت، وزراء اور ممبرانِ اسمبلی قرآن وسنت کے کس حد تک پابند ہیں مگر وہ کیا کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ اس سلسلے میں قرآن وسنت خلفاء راشدین، دوسرے صحابہ نے کیا رہنمائی فرمائی ہے بانیٔ پاکستان محمد علی جناح، علامہ اقبال، لیاقت علی خاں مرحوم، مختلف اقوام و ملل کے ججوں نے آئین و قانون کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور اسلام میں انتخاب کا طریقہ کیا ہے؟ ان سب کی تفصیل اس میں آپ کو ملے گی۔ اس میں علمی کے ساتھ ساتھ موصوف نے ناصحانہ انداز اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر دے۔

قارئین کے لیے اس رسالے کا مطالعہ کافی مفید اور بصیرت افروز رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

(۶)

فیض الودود فی تحقیق رفع الیدین للسجود (عربی)	مولانا ابو حفص عثمانی داجلی
صفحات	۶۸
قیمت	۳/۰ روپے
پتہ	۱۔ مجلس اخوان اہل حدیث۔ بلاک نمبر ۱۵۔ ڈیرہ غازی خاں ۲۔ فاروقی کتب خانہ، بیرون بوہڑ گیٹ۔ ملتان

مولانا ابو حفص عثمانی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں، محقق نامور عالم دین اور متعدد کتب کے مشہور مؤلف ہیں۔ کتاب وسنت کے سوا اور کسی بھی شخصیت کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر بھی نہیں ہیں بلکہ آزادانہ مطالعہ کرتے ہیں اس لیے بعض امور میں آپ کو معروف ڈگر سے مختلف راہ بھی اختیار کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ان سے اختلافِ رائے کے باوجود، ان کی علمی تحقیقات اور نیک جذبات کا ہم احترام کرتے ہیں اور ان کو اس کا ہم حق دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کا محرک سنت کا ثبوت ہوتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب بھی کچھ اسی قسم کی کتاب ہے جس میں فاضل مؤلف نے یہ موقف اختیار

کیا ہے کہ:

رفع یدین صرف چار بار نہیں، سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے اٹھتے وقت بھی مسنون ہے۔ پھر اس کے لیے موصوف نے تو عدد مرفوع اور موقوف روایات اور متعدد تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کا تعامل اور نظریہ پیش کیا ہے۔ اور ہر روایت کے سلسلے میں قابلِ ذکر جرح و تعدیل اور صحت و ضعف سے بھی کھل کر بحث کی ہے ــ جن سے بعض اعتبار سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن بالکلیہ ان کو رد کرنا آسان بات نہیں ہے۔

اس میں جو مرفوع روایات بیان کی گئی ہیں، ان سے روایاتی حیثیت سے تفصیلی بحث تو بہت مشکل ہے، بہرحال ہمیں ان میں بعض مقامات سے اختلاف بھی ہے، مثلاً یہ دعویٰ کہ یہاں تقابل صرف نافی اور مثبت کا ہے۔ صحیح نہیں ہے بلکہ معارض روایات میں صحت و ضعف کے اعتبار سے دونوں میں "مساوات" کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جو روایات "بین السجدتین رفع یدین" کرنے کی نفی کرتی ہیں وہ صحت کے اعتبار سے، مثبت روایات سے کہیں بلند اور ارفع ہیں ــ اس لیے دونوں کے مابین دنگل گرم کرانا صحیح نہیں ہے کیونکہ نفی کرنے والی روایت صحیحین کی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری (دارقطنی) اور حضرت علی مرتضیٰ (ترمذی و ابوداؤد) کی روایات بھی الگ اس کی مؤید ہیں۔

دوسرا یہ کہ: روایت بالمعنیٰ کی وجہ سے غلط ترجمانی ہو گئی ہے کیونکہ بعض روایات میں "حین یسجد" "اذا رفع رأسه للسجود" "واذا رفع للسجود" وغیرہ الفاظ سے بعض راویوں کو مغالطہ لگا ہے کہ شاید اس کے معنیٰ "رفع الیدین بین السجدتین" ہیں، حالانکہ اس سے مراد رکوع سے سجدہ کے لیے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرنا ہے۔ چونکہ رکوع سے سر کا اٹھانا سجدہ کے لیے ہوتا ہے اس لیے اسے سجدہ وغیرہ سے بھی تعبیر کر لیا گیا۔

تیسرا یہ کہ: سجدے کو جاتے یا اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کو ایک ساتھ لٹکانے کی جو شکل ہوتی ہے اسے ہی کسی راوی نے "رفع الیدین بین السجدتین" تصور کر لیا ہے ــ حالانکہ وہ کھلے ہاتھوں کا قدرتی لٹکنا ہے رفع ارادی نہیں ہے۔

چونکہ یہ صرف احتمالات ہیں اس لیے راقم الحروف کی ذاتی رائے یہ ہے کہ: کبھی کبھی احتیاطاً اس پر بھی عمل ہو جانا چاہیے تاکہ اگر یہ بھی مسنون ہو تو ہم اس سے بھی محروم نہ رہ جائیں۔ روایات کے اسلوب سے پتہ چلتا ہے کہ: یہ "احیاناً" (کبھی کبھار) والی بات تھی، اس لیے اس حد تک ہم بھی کر لیں تو اس کا بھی حق واقعتہً ادا ہو جائے۔ بہرحال اس حد تک طبیعت مطمئن ہے کہ: حضور، صحابہ اور تابعین کا تعامل اسی معروف رفع الیدین پر رہا ہے۔ تعامل بین السجدتین پر نہیں ہے۔ بشرطیکہ موصوف کی پیش کردہ روایات کے بارے میں "متناً و سنداً" مطلوبہ اطمینان حاصل ہو جائے۔ واللہ اعلم

نوجوان علماء میں قدیم وجدید علوم کی جامعیت اور ماہرانہ تربیت کیلئے

الجامعۃ السلفیہ
(درجہ تکمیل و تخصص)

جماعت اہلحدیث کے لیے صاحب تحقیق مصنف، تربیت یافتہ مدرس اور بہترین خطیب مہیا کرنے کے لیے علم و ادب کے مرکز لاہور میں اعلیٰ تعلیم و تربیت کا مرکزی منصوبہ۔

MUHADDIS
Regd. No. L. 7895

* بلند پایہ محقق علماء اور پروفیسر حضرات کی تدریس۔
* عمدہ اور وسیع لائبریری سے استفادہ۔
* اہم موضوعات پر تقریری و تحریری مقالات اور مذاکراتِ علمیہ

کے تجرباتی طریقوں سے

- قرآن و سنّت کی گہری بصیرت اور جدید علوم کا مطالعہ
- مشہور مذاہب، مکاتبِ فکر اور تحریکوں کا تقابلی جائزہ
- مختلف محکمہ جات، سماجی، قومی اور بین الاقوامی اداروں کی واقفیت اور معلوماتِ عامہ
- عربی زبان کی تقریری و تحریری مشق کا خاطر خواہ انتظام۔

پہلا سال: علمی تکمیل و جامعیت کے لیے — اور — دوسرا سال: تحقیق و تصنیف، درس و تدریس اور دعوت و خطابت کے شعبہ جات میں سے کسی ایک میں تخصص کے لیے۔
دو سالہ نصاب کی تکمیل کی شرط پر رہائش و تعلیم کے مفت انتظام کے علاوہ دورانِ تربیت کفالت کیلئے ۲۵/- روپے ماہوار وظیفہ۔

حافظ محمد یحییٰ عزیز

ناظمِ تعلیمات مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان

حدیث منزل ۷- ایبک روڈ (انار کلی) لاہور